

جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ
دسمبر ۲۰۲۲ء



ماہنامہ میشاق

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمد

جدیدیت کے شیطانی ہتھکنڈے

اور قرآنی تنبیہات

حافظ عاطف وحید

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد

کے شہرہ آفاق دورہ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دو انداز سے دستیاب ہے

1 خوبصورت ٹائٹل • عمدہ سفید کاغذ • معیاری طباعت
2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدوں میں
(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)
مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید
قرآنی رسم الخط • تفسیری سائز • مضبوط ریگزین جلد
2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدوں میں
مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501 (042)

وَأَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقْتُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (المائدة: ٤٠)
ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے فرما کر کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

مشمولات

- 5 _____ ❁ **عرضِ احوال**
”جوائے لینڈ“ اور مولانا ابوالکلام آزاد ادارہ
- 9 _____ ❁ **بیان القرآن**
سورة القلم ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- 26 _____ ❁ **تذکرہ و تبصرہ**
جدیدیت کے شیطانی ہتھکنڈے اور قرآنی تنبیہات حافظ عاطف وحید
- 37 _____ ❁ **یادِ رفتگان**
واہ! ڈاکٹر اسرار احمدؒ ڈاکٹر محمد شریف نظامی
- 40 _____ ❁ **دعوتِ فکر**
شرم و حیا: شعورِ ذات کا تقاضا راجیل گوہر صدیقی
- 47 _____ ❁ **تذکیر و موعظت**
نظروں کی حفاظت احمد علی محمودی
- 61 _____ ❁ **انوارِ ہدایت**
اللہ تعالیٰ کی توحید سے گریز کیوں؟ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
- 65 _____ ❁ **ہماری معیشت**
سود: ایک سنگین گناہ حافظ محمد اسد
- 69 _____ ❁ **سیرتِ صحابہؓ**
سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ارسلان اللہ خان
- 73 _____ ❁ **علومِ قرآنی**
اقسامِ وحی اور قرآن حکیم پروفیسر حافظ قاسم رضوان
- ماہنامہ **میثاق** (4) دسمبر 2022ء

میثاق

ماہنامہ
اجرائے ثانی
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جلد : 71
شمارہ : 12
جمادی الأولى 1444ھ
دسمبر 2022ء
فی شمارہ : 40 روپے
سالانہ زیر تعاون: 400 روپے

مدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مدیر
حافظ خالد محمود حفص

مجلس ادارت:
ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

ادارتی معاون:
حافظ محمد زاہد محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور



مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-54700-3

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”وازالا سلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375 (042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ماہنامہ **میثاق** (3) دسمبر 2022ء

”جوائے لینڈ“ اور مولانا ابوالکلام آزاد

ٹرانس جینڈر ایکٹ ۲۰۱۸ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی سے اس قدر عجلت میں پاس ”کروایا“ گیا کہ قوم کی اکثریت کو خبر نہ ہو سکی کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک اور مسلمان معاشرے سے کیا کھلو اڑ کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی میڈیا یوں تو صحافت اور خبر رسانی کے بلند آہنگ دعوؤں میں ساری دنیا کو پیچھے چھوڑنے میں رہتا ہے، لیکن جہاں اسلام اور اسلامی معاشرت پر حملوں کی بات آتی ہے تو وہاں چپ سادھ لیتا ہے۔ درحقیقت ہمارا میڈیا بھی ان بین الاقوامی اثرات کی زد میں ہے جو اسلامی معاشرت کو سرے سے مٹانا چاہتے ہیں۔ جس طرح نائن ایون کے بعد پاکستانی میڈیا نے عالمی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے خدمات سرانجام دیں اسی طرح پاکستانی قوم کو ٹرانس جینڈر ایکٹ کے حوالے سے بھی مکمل اندھیرے میں رکھا گیا۔

۲۰۲۱ء کے اوائل میں جماعت اسلامی کے سینیٹر مشتاق احمد نے ٹرانس جینڈر ایکٹ اور پاکستانی معاشرے پر اس کے مضر اثرات سے اعداد و شمار کی روشنی میں آگاہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس قانون کے تحت پاکستانی معاشرے کو قوم لوط کی معاشرت میں تبدیل کرنے کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مختلف مذہبی حلقوں نے اس قانون کے خلاف آواز اٹھائی۔ عدالتی و قانونی طریقہ کار اپنانے کے راستے ڈھونڈے گئے۔ اس سے پہلے کہ اس غیر شرعی غیر اخلاقی اور انسانیت باختہ قانون کے خلاف کوئی حتمی کامیابی مسلمانان پاکستان کو حاصل ہوتی، مغرب نواز طبقہ کی جانب سے پاکستانی معاشرت پر دوسرا بڑا حملہ ایک بے ہودہ فلم ”جوائے لینڈ“ کے ذریعے کیا گیا جس کا مقصد یہاں ہم جنس پرستی کو فروغ دینا ہے۔ یہ فلم ایک شادی شدہ مرد کی ایک ٹرانس جینڈر (یعنی عورت کا روپ دھارے ایک مرد) سے رومانس کی کہانی پر مبنی ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون!

بے ہودگی اور بے حیائی کی اس انتہا کو کاؤز فلم فیسٹول میں کوئیر پام ایوارڈ بھی مل گیا۔ یہ ایوارڈ ہم جنس پرستی پر بننے والی فلموں کو دیا جاتا ہے۔ یہ بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ فلم LGBTQ+ ہے۔ اس فلم کے پروڈیوسرز میں زیادہ تر غیر ملکی لوگ شامل ہیں جبکہ پاکستان سے

شامل افراد بھی غیر ملکی ایجنڈے پر ہی عمل پیرا دکھائی دیتے ہیں۔ ان ملکی اور غیر ملکی پروڈیوسرز میں ملالہ یوسف زئی، سرمد کھوسٹ، اپورا گرو چارن (انس ایجنس میں مقیم بھارتی نژاد امریکی)، ثنا جعفری، اولیور راج، لارن مان، کیتھیرین برنسٹ، رمن بہرانی وغیرہ شامل ہیں۔ ملالہ یوسف زئی اس فلم کی ایگزیکٹیو پروڈیوسر ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ کسی بڑی سے بڑی فلم کے بھی عام طور پر اتنے پروڈیوسر نہیں ہوتے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی پنجابی فلم بنانے پر اتنے زیادہ ملکی اور غیر ملکی پروڈیوسر کیوں اکٹھے ہو گئے ہیں جن میں سے زیادہ تر کو فلم کی زبان بھی سمجھ میں نہیں آتی؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ فلم ایک بہت بڑے شیطانی ایجنڈے کا حصہ ہے جس کا مقصد پاکستان پر ایک بڑا معاشرتی حملہ کرنا ہے۔ ایجنڈے کے مطابق پاکستان میں اس فلم کی نمائش نومبر ۲۰۲۲ء کے دوسرے عشرے میں ہونی تھی، لیکن اس شرم ناک فعل کے خلاف پاکستانی عوام کے احتجاج کو دیکھتے ہوئے حکومت نے اس پر پابندی لگا دی۔ پھر چند روز بعد ہی یہ افسوس ناک خبر آئی کہ وزیر اعظم شہباز شریف نے اس فلم پر پابندی کے خلاف نظر ثانی کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی بنا دی ہے۔ تازہ ترین رپورٹ کے مطابق اس کمیٹی نے فلم کی نمائش کی اجازت دے دی ہے۔ اگرچہ حکومت پنجاب نے اس فلم کی سینما گھروں میں نمائش پر پابندی لگا دی ہے لیکن صاف نظر آ رہا ہے کہ بیرونی دباؤ، این جی اوز کے شور و غوغا اور لبرل عناصر کی کمپین کے نتیجے میں وفاقی حکومت کی طرف سے اس فلم کو نمائش کی اجازت دے دی گئی ہے۔

دانٹور کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں معاشروں میں اخلاقی اور سماجی اقدار کے بیریر کو توڑنے کے لیے لائی جاتی ہیں۔ ہمارے خیال میں ۲۰۱۸ء میں ٹرانس جینڈر ایکٹ منظور کر کے پاکستان میں ایک شیطانی معاشرت کے لیے قانونی دروازہ کھولا جا چکا تھا، لیکن چونکہ عوام ابھی تک اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، لہذا اب فلم ’ٹی وی اور سوشل میڈیا کے ذریعے ان کی ذہن سازی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سینما میں نمائش اس موضوع کو نارمل اور عام بنانے کی ایک کوشش ہے۔ اہل علم و فکر جانتے ہیں کہ اسی انداز میں برسوں پہلے بھارت میں ایک فلم ”فار“ بنائی گئی تھی۔ عوامی ردعمل کے باوجود بھارتی حکومت نے بھی بین الاقوامی ایجنڈے کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد ان موضوعات پر کئی فلمیں اور ٹی وی ڈرامے بنتے چلے گئے، جس کی وجہ سے وہاں مشرقی اقدار و روایات کے بیریر ٹوٹے چلے گئے۔ چنانچہ آج وہاں مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے شادی یعنی ہم جنس پرستی سمیت شیطانی معاشرت عام اور قانونی طور پر جائز ہو چکی ہے۔

بھارت کا قیام چونکہ ایک سیکولر ملک کے طور پر عمل میں آیا تھا لہذا وہاں ایسی چیزوں کا ہونا تعجب پر مبنی نہیں ہوگا، تاہم پاکستان ایک نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا۔ تحریک پاکستان کا سب سے مقبول نعرہ تھا: ”پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ!“ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا نام ہی ایک خاص نظریہ سے منسوب ہو کر مسلمانان برصغیر کے دل و دماغ میں رچ بس گیا تھا اور اسی نظریہ کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے جان و مال، عزت و آبرو گھر بار اور خاندانوں کی قربانیاں دی تھیں۔ دراصل وہ نظریہ روز اول سے ہی لفظ پاکستان سے جڑا ہوا ہے۔ جب گول میز کانفرنسز میں برصغیر کے ہند اور مسلم لیڈرز متحدہ ہندوستان کے وفاقی آئین پر غور و فکر کر رہے تھے تو اس وقت لفظ پاکستان پہلی بار اس آفاقی نظریہ کے ساتھ پاکستان ڈکلیئریشن (Now or Never) میں سامنے آیا تھا:

"At this solemn hour in the history of India, when British and Indian delegates are laying the foundations of a Federal Constitution for that Sub-continent, we address this appeal to you, in the name of our common heritage, and on behalf of our thirty million Muslim brethren who live in Pakistan."

یہ تھا وہ نظریہ جس نے پاکستان، اسلام اور مسلمانان برصغیر کے مستقبل کو لازم و ملزوم بنا دیا تھا، کیونکہ مسلمانان برصغیر کو محسوس ہو گیا تھا کہ متحدہ ہندوستان میں رہیں گے تو نہ اسلام بچے گا اور نہ مسلمان۔ اسی زمینی حقیقت کی ترجمانی چودھری رحمت علی نے پاکستان ڈکلیئریشن میں ان الفاظ میں کی تھی:

"This acceptance amounts to nothing less than signing the death-warrant of Islam and of Muslims in India."

یہ تھا وہ نظریہ جس کے لیے مسلمانان برصغیر اپنے جوان بیٹوں کی گردنیں کنوانے پر تیار ہو گئے تھے۔ اپنے گھر بار، چلتے کار و بار چھوڑنے اور عصمتیں لٹانے پر تیار ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اگر سیکولر اور لیبرل معاشرت کو ہی قبول کرنا ہوتا تو وہ متحدہ ہندوستان میں ہی رہ لیتے۔ اتنی زیادہ قربانیوں، صعوبتوں اور مصائب و مشکلات کا سامنا آخر کس لیے کیا؟ جواب صرف ایک ہوگا: اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے۔ Now or Never کی صداۓ حق بلند کرنے والے چودھری رحمت علی کی کتاب ”پاکستان“ کے دیباچے میں مترجم کے یہ الفاظ آج بھی موجود ہیں: ”مسلمانان ہند کا ایک ہی خواب تھا کہ ہم کسی طرح خلافت راشدہ کے نظام کا عکس اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔“

دوسری طرف برصغیر ہی کے ایک بہت بڑے مسلمان لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد تھے جو

ماہنامہ **میثاق** (7) دسمبر 2022ء

مسلمانوں کی تقسیم کے خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ دو دھڑوں میں تقسیم ہونے سے مسلمانوں کی طاقت تقسیم ہو جائے گی۔ ہندوستان میں رہنے والے کروڑوں مسلمان جو ہندو اکثریت کے ظلم و ستم کا شکار رہیں گے، پاکستان میں بسنے والے مسلمان ان کی کوئی بھی مدد نہیں کر سکیں گے، اور اسی طرح سے پاکستان میں بسنے والے مسلمان جس معاشرتی، اقتصادی کمزوری اور ذہنی پسماندگی کا شکار رہیں گے تو ہندوستان میں بسنے والے مسلمان ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔

اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں موقف اپنی جگہ ٹھیک تھے۔ یعنی مسلمانوں نے جس نظریہ کے لیے قربانیاں دیں وہ اپنی جگہ مسئلہ حقیقت تھا، کیونکہ انہیں نظر آ رہا تھا کہ متحدہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ آج انڈیا میں مسلمان کمزور اقلیت ہونے کی وجہ سے اس قدر مصیبت اور ضعف میں ہیں کہ پھیلنے ہوئے دجالی فتنوں اور منکرات کے خلاف اپنا دینی فریضہ تک ادا نہیں کر سکتے، جبکہ دوسری طرف پاکستان میں مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود اسلام کے نظام عدل، اجتماعی کے فیوض و برکات سے مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکے اور منکرات کے خلاف ان کی مزاحمت کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ ان دونوں ملکوں کے مسلمان اپنی دینی اور معاشرتی اقدار و روایات کی بقا کے لیے آج ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر پارہے، جبکہ ان پر مسلط طبقات سرعام عالمی ایجنڈے کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ بظاہر یہ نظر آ رہا تھا کہ قائد اعظم محمد علی جناح اور سرکردہ لیڈروں کے جانے کے بعد پاکستان پر اس اشرفیہ کا قبضہ ہو جائے گا جو انگریز کے سائے میں پلی بڑھی ہے، اور ہوا بھی بالکل یہی کہ قائد اعظم کی رحلت اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد فرنگ کے سائے میں پلا بڑھا سیکولر اور لیبرل طبقہ پاکستان میں اسلام کی ترقی و ترویج میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ آج پاکستان میں ٹرانس جینڈرائیکٹ اور ”جوائے لینڈ“ جیسی گندگی کے ساتھ ساتھ سود پر مبنی استحصالی نظام بھی اسی سیکولر اشرفیہ کی دین ہے۔ اس نے اپنی عیاشیوں اور من پسند سیاسی پارٹیوں کے غلبہ و اقتدار کے لیے ملک کو قرضوں میں ڈبو دیا۔ اسی وجہ سے عالمی طاقتیں اس اشرفیہ کو بلیک میل کر کے ان سے ہروہ کام کروا رہی ہیں جو اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے زہر قاتل ہے۔ قائد اعظم نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر اپنے خطاب میں فرمایا تھا:

”میں اشتیاق اور دلچسپی سے معلوم کرتا رہوں گا کہ آپ کی مجلس تحقیق بینکاری کے ایسے طریقے کیونکر وضع کرتی ہے جو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات کے مطابق ہوں۔“ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: ”مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے لائیکل مسائل پیدا کر دیے ہیں اور اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ مغرب کو اس تباہی سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے۔ (باقی صفحہ 82 پر)

ماہنامہ **میثاق** (8) دسمبر 2022ء

سُورَةُ الْقَلَمِ

تمہیدی کلمات

جیسا کہ سورۃ الملک کے تعارف میں بھی بیان ہو چکا ہے، زیر مطالعہ مکی سورتوں میں سے پہلی چھ سورتیں دو ضمنی گروپس پر مشتمل ہیں۔ ہر ضمنی گروپ میں تین سورتیں ہیں، جن میں ایک سورت منفرد ہے اور دو جوڑے کی شکل میں ہیں۔ پہلے ضمنی گروپ کی پہلی سورت یعنی سورۃ الملک منفرد تھی، جبکہ اس کے بعد کی دو سورتیں یعنی سورۃ القلم اور سورۃ الحاقہ جوڑے کی شکل میں ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں انباء الرسل کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ سورۃ القلم اپنے گروپ کی تمام سورتوں میں اس اعتبار سے نمایاں ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بالکل ابتدائی دور کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس حوالے سے اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی دوسری وحی اس سورت کی ابتدائی سات آیات پر مشتمل تھی۔ ذاتی طور پر مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ ان سات آیات میں اہل مکہ کے اس ردِ عمل کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی وحی کی خبر پر کیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ لوگوں کو بتایا کہ میرے پاس اللہ رب العزت کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آیا ہے تو لوگوں کا پہلا تاثر یہی تھا کہ آپ پر کسی جن یا بدروح کا اثر ہو گیا ہے۔ ان میں بیشتر لوگ اپنی اس رائے کا اظہار آپ سے ہمدردی کی بنا پر بھی کرتے تھے کہ دیکھیں یہ اچھے بھلے آدمی تھے، بیٹھے بٹھائے ان کے ساتھ یہ کیا معاملہ پیش آ گیا ہے۔ البتہ کچھ لوگ یہی باتیں آپ کو تنگ کرنے کے لیے طعنیہ اور استہزائیہ انداز میں بھی کرتے تھے۔ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ صورت حال بہت تکلیف دہ تھی کہ آپ کی اپنی ہی برادری کے وہ لوگ جو کل تک آپ کے قدموں میں نگا ہیں، بچھاتے تھے اور آپ کو اپنی آنکھوں کا تار اکتھتے تھے آج آپ کو دیوانہ اور

مجنون کہہ رہے تھے۔ چنانچہ اس تکلیف دہ صورت حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کے لیے یہ آیات نازل فرمائی گئیں۔ اس سورت کا آغاز اکیلے حرف ’ن‘ سے ہوتا ہے۔ سورۃ ص اور سورۃ ق کے بعد ایک حرف سے شروع ہونے والی یہ تیسری اور آخری سورت ہے۔

آیات ۱ تا ۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ن وَالْقَلَمِ ۝ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنْتَ بِعِنْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ فَسَبِّحْهُ ۝ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَبْصَارِهِمُ الْبُغْتُونَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۝ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ وَلَا تُطِعِ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَسَانٍ مَّشَاءٍ ۝ بِنَبِيٍّ ۝ مَثَاءٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ ۝ أَشِيمٍ ۝ عَثَلٍ ۝ بَعْدَ ذَلِكَ رَنِيمٍ ۝ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ سَنَسِبهُ عَلَىٰ الْحُرِّطُومِ ۝ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتَأْذِنُونَ ۝ قَطَّافٌ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَبِّكَ ۝ وَهُمْ نَائِبُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ۝ أَنْ اَعْدُوا عَلٰى حَرْثِهِمْ ۝ إِنَّكُمْ لَصُرِمِينَ ۝ فَاَنْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ۝ وَغَدُوا عَلَىٰ حَرْدٍ قَدِيرِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَصَّاكُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْ لَا تَسْبِعُونَ ۝ قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَأَقْبَك بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَوْمُونَ ۝ قَالُوا لِيُوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ عَسَىٰ رَبَّنَا أَنْ

يُبْدِلُنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُرْغَبُونَ ﴿٦﴾ كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَ
الْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٧﴾

آیت ۱ ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿١﴾﴾ ”ن قسم ہے قلم کی اور جو کچھ یہ لکھتے ہیں۔“
یعنی قلم بھی اور جو علمی ذخیرہ قلم کے ذریعہ نوع انسانی کے ہاں اب تک وجود میں آیا ہے وہ
بھی اس حقیقت پر گواہ ہے کہ:

آیت ۲ ﴿مَا أَنْتَ بِمَجْنُونٍ ﴿٢﴾﴾ ”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے
فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں۔“

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ آپ کو مجنون کہہ رہے ہیں وہ خود احمق ہیں جو یہ تک نہیں جانتے
کہ مجنون کیسے ہوتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو آپ کی پاکیزہ اور اعلیٰ اخلاق کی حامل سیرت نظر نہیں
آتی؟ کیا یہ لوگ واقعتاً سمجھتے ہیں کہ مجنون لوگوں کی زندگی کا نقشہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے؟ تو اے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں کی فضول اور لالچ یعنی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔

آیت ۳ ﴿وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿٣﴾﴾ ”اور یقیناً آپ کے لیے تو وہ اجر ہے
جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔“

آیت ۴ ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾﴾ ”اور آپ یقیناً اخلاق کے بلند ترین
مرتبے پر فائز ہیں۔“

آپ اپنے اخلاق اور کردار کے بلند ترین معیار کے باعث پہلے سے ہی معراج انسانیت
کے مقام پر فائز تھے جبکہ اب آپ معراج نبوت و رسالت کے سفر کا آغاز کر رہے ہیں۔

آیت ۵ ﴿فَسْتَبْصِرْ وَيَبْصُرُونَ ﴿٥﴾﴾ ”تو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی
دیکھ لیں گے۔“

یہ بڑا بیار اور ناصحانہ انداز ہے۔ جیسے کوئی بڑا کسی چھوٹے کو سمجھاتا ہے کہ آپ مخالفانہ
باتوں پر آرزو نہ ہوں، کچھ ہی دنوں کی بات ہے، اصل حقیقت بہت جلد کھل کر سامنے آ جائے
گی۔ پھر کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں رہے گا:

آیت ۶ ﴿يَأَيُّكُمْ الْمَفْتُونُ ﴿٦﴾﴾ ”کہ تم میں سے کون فتنے میں مبتلا تھا!“

بہت جلد دنیا پر واضح ہو جائے گا کہ تم دونوں فریقوں میں سے کون فتنے میں مبتلا ہو گیا تھا اور
کون راہ راست پر تھا۔ کیا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا (معاذ اللہ!) یا
آپ کے مخالفین جوشِ تعصب میں پاگل ہو گئے تھے؟

آیت ۷ ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ﴿٧﴾﴾ ”یقیناً آپ کا رب خوب
جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹک گیا ہے“

آیت ۸ ﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٨﴾﴾ ”اور وہ اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو
ہدایت یافتہ ہیں۔“

یہ وہ آیات تھیں جو اکثر مفسرین کے نزدیک دوسری وحی میں نازل ہوئی تھیں۔ یہاں سے
آگے نیا مضمون شروع ہو رہا ہے۔

آیت ۹ ﴿فَلَا تُطِيعُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٩﴾﴾ ”تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان جھٹلانے
والوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔“

آیت ۱۰ ﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿١٠﴾﴾ ”وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ذرا ڈھیلے پڑیں
تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔“

باطل کا تو وطیرہ ہے کہ پہلے وہ حق کو جھٹلاتا ہے، پھر جب اس کے مقابلے میں کھڑے ہونا
مشکل نظر آتا ہے تو مدہانت (compromise) پر اتر آتا ہے۔ لیکن حق کسی قسم کی مدہانت یا
کسی درمیانی راستے کو نہیں جانتا۔ بقول اقبال۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول!

اگلی آیات میں نام لیے بغیر انتہائی سخت الفاظ میں ایک کردار کا ذکر ہوا ہے۔ کسی معتبر روایت
سے تو ثابت نہیں لیکن زیادہ تر مفسرین کا خیال ہے کہ ان آیات کا مصداق ولید بن مغیرہ تھا:

آیت ۱۱ ﴿وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿١١﴾﴾ ”اور آپ مت مانے کسی ایسے شخص کی
بات جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی گھٹیا ہے۔“

ان دونوں خصوصیات کا آپس میں فطری تعلق ہے۔ اپنی شخصیت کے ہلکے پن کی تلافی
کرنے کے لیے بات بات پر قسمیں کھانا ہر گھٹیا آدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لفظ ”مہین“

ماہنامہ میثاق (12) دسمبر 2022ء

ماہنامہ میثاق (11) دسمبر 2022ء

ذلیل و حقیر اور گھٹیا آدمی کے لیے بولا جاتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿هُمَا زَمَّشَاءُ بَنِي إِيمٍ﴾ ”زور زور و طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔“

آیت ۱۲ ﴿مَتَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَتِيْمٍ﴾ ”خیر سے روکنے والا احد سے بڑھنے والا“

گنہگار۔“

آیت ۱۳ ﴿عُتْلٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيْمٍ﴾ ”بالکل گنوار ہے اس کے بعد یہ کہ بد اصل

بھی ہے۔“

یعنی مذکورہ بالا خصلتیں تو اس کی شخصیت میں ہیں ہی سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بے نسب بھی ہے۔

آیت ۱۴ ﴿أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِيْنٍ﴾ ”صرف اس گھمنڈ پر کہ وہ مال و دولت اور

بیٹوں والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کو کثیر مال و دولت کے علاوہ بہت سے بیٹوں سے بھی نوازا رکھا

تھا۔ اور بیٹے بھی ایسے کہ ان میں سے ایک کو قبول اسلام کے بعد ”سَيْفٌ مِنْ سُوَيْفِ اللّٰهِ“ کا

مرتبہ ملا۔ یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ!

آیت ۱۵ ﴿إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ ”جب اسے

ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“

آیت ۱۶ ﴿سَنَسِيْبُهُ عَلَىٰ الْخُرْطُوْمِ﴾ ”ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ

لگائیں گے۔“

ممکن ہے اس کی ناک زیادہ لمبی اور نمایاں ہو۔ وہ خود بھی ازراہ تکبر اپنے آپ کو بڑی ناک

والا سمجھتا تھا، جس کے لیے حقارت کے طور پر سونڈ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ناک پر داغ لگانے

سے مراد تذلیل ہے۔

اب آئندہ آیات میں ایمان بالآخرت کے حوالے سے بہت عمدہ اور عام فہم تمثیل کے طور

پر باغ والوں کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۷ ﴿إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ﴾ ”یقیناً ہم نے ان (اہل مکہ) کو

اسی طرح آزمایا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔“

اللہ تعالیٰ لوگوں کو طرح طرح کے امتحانات سے آزماتا رہتا ہے۔ ایک انسان کو اگر دولت

ماہنامہ میثاق (13) دسمبر 2022ء

کی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، تو کسی دوسرے کو غربت کے امتحان سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ سورۃ

الملک کی اس آیت میں تو انسان کی زندگی اور موت کی تخلیق کا مقصد ہی آزمائش بتایا گیا ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ

الْغَفُوْرُ ﴿۱﴾﴾ ”اُس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے

کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔ اور وہ بہت زبردست بھی ہے اور بہت بخشنے والا بھی۔“

﴿اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۵﴾﴾ ”جبکہ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ

ضرور اس کا پھل اُتار لیں گے صبح سویرے۔“

آیت ۱۸ ﴿وَلَا يَسْتَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ ”اور انہوں نے (اس پر) ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔“

باغ کے پھل پک کر تیار ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک رات پروگرام طے کر لیا کہ وہ صبح

سویرے جائیں گے اور سارا پھل اتار لائیں گے۔ گویا وہ اپنے اسباب و وسائل کے گھمنڈ میں

مستبہ حقیقی کو بالکل ہی بھول گئے۔

آیت ۱۹ ﴿فَطَافَ عَلَيْهِمَا طَائِفٌ مِّنْ رَبِّكَ وَهُمْ نَائِمُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ”پس ایک پھرنے

والا پھر گیا اس (باغ) پر آپ کے رب کی طرف سے جبکہ وہ ابھی سوئے ہوئے ہی تھے۔“

آیت ۲۰ ﴿فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾﴾ ”تو وہ ایسے ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔“

یعنی رات کو وہ باغ کسی بگولے کی زد میں آیا اور جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

آیت ۲۱ ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ”اب صبح ہی صبح انہوں نے ایک دوسرے

کو پکارا۔“

آیت ۲۲ ﴿اِنْ اَعْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ ظٰرِفِيْنَ ﴿۲۲﴾﴾ ”کہ صبح سویرے

چلو اپنے کھیت کی طرف اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔“

وہ صبح سویرے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق پھل توڑنے کی تیار یاں کر رہے تھے

جبکہ ان کا باغ رات کو جل کر تباہ ہو چکا تھا۔ اسی طرح انسان اپنی دھن میں مگن طرح طرح کے

منصوبے بناتا رہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ایک فیصلے کے سامنے اس کے سارے منصوبے دھرے

کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کوئی جان لیوا مرض لاحق ہو چکا ہوتا ہے

مگر وہ اس سے بے خبر اپنی لمبی لمبی امیدوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے رات دن ایک کیے

ماہنامہ میثاق (14) دسمبر 2022ء

رہتا ہے۔ پھر جب مرض کی تشخیص ہوتی ہے تب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿فَانطَلِقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ﴾ ”چنانچہ وہ چلے اور آپس میں چپکے

چپکے یہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔“

آیت ۳۴ ﴿أَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ﴾ ”کہ دیکھو آج کوئی

مسکین تمہارے پاس باغ میں ہرگز داخل نہ ہونے پائے۔“

دراصل انہوں نے پھل اتارنے کے لیے منہ اندھیرے جانے کا پروگرام بنایا ہی اس لیے تھا تا کہ ایسے مواقع پر آجانے والے غرباء و مساکین کو چکمہ دے سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ باغ پر سارا سال محنت ہم نے کی ہے اس کی حفاظت کی ہے اب پھل اتارنے کے موقع پر ہم اس میں سے غرباء و مساکین کو کس لیے دیں؟ وہ ہمارے کیا لگتے ہیں؟ یہ تھا ان کا اصل جرم جس کی انہیں سزا ملی۔ انسان کے کردار میں ایسی ہستی آخرت پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے آتی ہے۔

آیت ۳۵ ﴿وَعَدُوا عَلَىٰ حَرْدٍ قَدِيرِينَ﴾ ”اور وہ صبح سویرے چلے جلدی جلدی

(یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر پوری طرح قادر ہیں۔“

یہ آیت لفظی تصویر کشی کی بہترین مثال ہے۔ اس وقت ان لوگوں کی جو ذہنی نفسیاتی اور ظاہری کیفیت تھی ان الفاظ میں اس کی ہو بہو تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ انہیں زعم تھا کہ انہوں نے بڑی کامیاب منصوبہ بندی کی ہے ابھی تھوڑی ہی دیر میں وہ پھل اتار کر لے جائیں گے اور بھیک منگولوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ [حَرْدٌ کا معنی قصد اور ارادہ ہے۔ یعنی انہوں نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ آج کسی غریب کو باغ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور صبح سویرے باغ کا پھل اتار لیں گے وہ خیال کر رہے تھے کہ ہم اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔]

آیت ۳۶ ﴿فَلَبَّازًا وَهَاتِلًا قَالُوا إِنَّا لَأَصْرَٰؤُنَ﴾ ”پھر جب انہوں نے اس (باغ)

کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم تو کہیں بھٹک گئے ہیں۔“

فوری طور پر تو وہ یہی سمجھے کہ وہ اندھیرے میں راستہ بھول کر کسی اور جگہ آگئے ہیں اور یہ ان کا باغ نہیں ہے۔ پھر جب انہیں اصل صورت حال کا ادراک ہوا تو کہنے لگے:

آیت ۳۷ ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ﴾ ”(نہیں نہیں) (باغ تو یہی ہے) بلکہ ہم تو

محروم ہو گئے ہیں۔“

ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی ہے۔

آیت ۳۸ ﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ﴾ ”ان کے

درمیان والے نے کہا: میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اپنے رب کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“

یہ انہی کے کسی نیک فطرت بھائی کا ذکر ہے جو گا ہے بگا ہے انہیں روکتا تو کتا تھا اور انہیں یاد دہانی کراتا رہتا تھا کہ تم اللہ کو بھولے ہوئے ہو اور اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے سے پہلو تہی کرتے ہو۔

آیت ۳۹ ﴿قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ ”انہوں نے کہا: (واقعی تم ٹھیک

کہتے ہو) ہمارا رب پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم تھے۔“

آیت ۴۰ ﴿فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ﴾ ”پھر وہ آپس میں

ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔“

اب وہ اپنی گمراہی اور شومی قسمت کی ذمہ داری آپس میں ایک دوسرے کے سر تھوپنے لگے۔

آیت ۴۱ ﴿قَالُوا يٰوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ ”(بالآخر اعتراف کرتے ہوئے)

وہ کہنے لگے: ہائے ہماری بدبختی! اصل میں ہم سب ہی اپنی حدود سے تجاوز کرنے والے تھے۔“

آیت ۴۲ ﴿عَسَىٰ رَبِّنَا أَنْ يُّبَدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رٰغِبُونَ﴾

”امید ہے ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر عطا کر دے گا، اب ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔“

اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اب ہم اپنی روش تبدیل کر لیں گے اور آئندہ باقاعدگی سے اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق ادا کیا کریں گے۔ ہمیں امید ہے ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف کرتے ہوئے ہمارے نقصان کی بھی تلافی کر دے گا اور اگلے سال ہمارا باغ اس سے بہتر پیداوار دے گا۔ رَغِبَ جب الٰہی کے صلے کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی کی طرف رغبت کرنے کے ہوتے ہیں، لیکن جب یہی لفظ عَنَ کے صلے کے ساتھ آئے تو بالکل متضاد معنی دیتا ہے۔ چنانچہ رَغِبَ عَنَ کے معنی ہوں گے: رُخ پھیر لینا اور پہلو تہی کرنا۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی

آیت ۱۳۰ میں آیا ہے: ﴿وَمَنْ يَرْغَبْ عَنِ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ﴾ ”اور کون ہوگا جو ابراہیمؑ کے طریقے سے منہ موڑے؟ سوائے اُس کے جس نے اپنے آپ کو حماقت ہی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو!“

اب اگلی آیت میں گویا اس تمثیل یا واقعہ کا اخلاقی سبق (moral lesson) بیان ہوا ہے:

آیت ۱۳۱: ﴿كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْأَجْرَةِ أَكْبَرُ﴾ ”اسی طرح آتا ہے عذاب! اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت ہی بڑا ہے۔“

اس واقعے میں تو دنیا کے عذاب کا ذکر ہے، لیکن یاد رکھو؛ دنیا کے عذاب تو نسبتاً چھوٹے اور وقتی ہوتے ہیں اور توبہ کرنے پر ٹل بھی جاتے ہیں۔ مثلاً ایک سال اگر پکی پکائی فصل برباد ہوگئی تو اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ہو سکتا ہے اگلے سال اس کی تلافی ہو جائے، لیکن آخرت کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہوگا اور اُس وقت پلٹنے کا راستہ اور توبہ کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہوگا۔

﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ ”کاش کہ یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے!“

آیات ۳۲ تا ۵۲

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ﴿۳۲﴾ أَفَنَجْعَلُ السُّلَيْبِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ لَكُمْ آيَاتٌ عَلَيْنَا بِالْعَذَابِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿۳۷﴾ سَلِّمُوا لَهُمْ فِي ذَلِكَ رَعِيْمًا ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فُلْيَاتُوا بِشُرِّكَائِهِمْ إِنَّ كَانُوا لَإِلٰهًا صَادِقِينَ ﴿۳۹﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَبِيعُونَ ﴿۴۰﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلْبُونَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَدِّبُ بِهِذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾ وَ أُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۴۳﴾ أَمْ سَأَلْتَهُمُ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَعْرُومٍ

مُتَقَلَّبُونَ ﴿۴۴﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْعَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۴۵﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۴۶﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكُهُ نَعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِتَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۴۷﴾ فَاجْتَبِهْ رَبَّهُ وَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۴۸﴾ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿۴۹﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۵۰﴾

آیت ۳۲: ﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ﴾ ”متقین کے لیے

یقیناً اُن کے رب کے پاس نعمت والے باغات ہیں۔“

آیت ۳۳: ﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ﴾ ”کیا ہم اپنے فرمانبرداروں

کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟“

اگر بعثت بعد الموت کے منکرین کی منطق درست تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیکو کار اور مجرمین میں سرے سے کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ طبعی طور پر تو موت بلاشبہ سب کو برابر کر دیتی ہے، جیسا کہ مشہور انگریزی نظم Death the Leveller میں بتایا گیا ہے۔ یعنی کوئی بادشاہ ہو، کوئی فقیر ہو، کوئی شریف ہو، کوئی مجرم ہو، مرنا سبھی کو ہے۔ اس اعتبار سے تو یقیناً موت کے سامنے سب انسان برابر ہیں، لیکن یہ سمجھنا کہ موت آنے پر اخلاقی لحاظ سے بھی سب انسان برابر ہو جائیں گے انتہائی غیر منطقی اور احمقانہ سوچ ہے۔

آیت ۳۴: ﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ ”تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے حکم

لگاتے ہو؟“

کیا تمہاری مت ماری گئی ہے جو ایسی رائے بناتے ہو؟ کیا اللہ کے ہاں ایسا ہی اندھیر مچا ہوا ہے کہ وہاں مسلمین اور مجرمین برابر ہو جائیں گے؟ کیا دنیا میں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ کوئی حکومت اپنے باغیوں اور اپنے وفاداروں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دے؟

آیت ۳۵: ﴿أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ﴾ ”کیا تمہارے پاس کوئی کتاب

ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو؟“

آیت ۳۸ ﴿إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ﴾ ”کہ اس (آخرت) میں تمہیں وہ سب کچھ مل جائے گا جو تم پسند کرو گے!“

آیت ۳۹ ﴿أَمْ لَكُمْ إِيمَانٌ عَلَيْنَا بِالْعَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ”إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ“ ”کیا تم نے ہم سے کوئی قسم لے رکھی ہے جو باقی رہنے والی ہو قیامت کے دن تک کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے؟“

آیت ۴۰ ﴿سَلِّمُوا إِلَيْهِمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ذرا ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون ہے جو اس کا ضامن ہو؟“

آیت ۴۱ ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ﴾ ”کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟“

﴿فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾ ”تو لائیں یہ اپنے شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں!“

آیت ۴۲ ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ﴾ ”جس دن پنڈلی کھولی جائے گی“

پنڈلی کھولے جانے کا مفہوم ہمارے تصور سے ماوراء ہے۔ ممکن ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کسی خاص تجلّی کا ذکر ہو جس کا ظہور میدانِ محشر کے کسی مرحلے پر لوگوں کی چھانٹی کرنے کے لیے ہونا ہو۔ واللہ اعلم! اس اعتبار سے یہ آیت آیاتِ تشابہات میں سے ہے۔^(۱)

﴿وَيُذْعَنُ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ ”اور انہیں پکارا جائے گا (اللہ کے حضور) سجدے کے لیے تو وہ کر نہیں سکیں گے۔“

جیسا کہ قبل ازیں سورۃ الحدید کی آیت ۱۱ کے تحت بھی ذکر ہو چکا ہے، میدانِ محشر میں اچھے اور برے لوگوں کو الگ الگ کرنے کے لیے بنی نوع انسان کو مختلف مراحل میں سے گزارا جائے گا۔ ”پنڈلی کا ظہور“ بھی ایسا ہی کوئی مرحلہ ہوگا۔ وہ صاحبِ ایمان لوگ جو اپنی ذبیحی زندگی میں

۱۔ عربی محاورے کے مطابق سخت وقت آپڑنے کو بھی کشفِ ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً گھمسان کی لڑائی شروع ہونے پر کہا جاتا ہے: شَمَّرَتِ الْحُرُوبُ عَنْ سَاقِهَا کہ جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہبند اوپر اٹھالیا۔ بعض مفسرین نے کشفِ ساق سے مراد حقائق سے پردہ اٹھانا بھی لیا ہے۔ یعنی جس روز تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی اور لوگوں کے اعمال کھل کر سامنے آ جائیں گے۔ (حاشیہ از مرتب)

نماز کی پابندی کرتے رہے تھے اس تجلّی کو دیکھتے ہی سجدے میں گر جائیں گے، لیکن وہ لوگ جن کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں اور جو نماز کی پابندی کا اہتمام نہیں کرتے تھے وہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اُس وقت سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ گویا اس مرحلے پر ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والے لوگوں سے الگ کر لیا جائے گا۔

آیت ۴۳ ﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ﴾ ”ان کی نگاہیں زمین پر گڑی رہ جائیں گی“

﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ ”ان (کے چروں) پر ذلت چھا رہی ہوگی۔“

﴿وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ﴾ ”اور ان کو (دنیا

میں) پکارا جاتا تھا سجدے کے لیے جبکہ یہ صحیح سالم تھے۔“

دنیا میں وہ لوگ اذان کی آواز پر کبھی توجہ ہی نہیں کرتے تھے اور کوئی مجبوری و معذوری نہ ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتے تھے۔ قیامت کے دن میدانِ محشر میں وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن نہیں کر سکیں گے۔

آیت ۴۴ ﴿فَذَرْنِي وَمَنْ يُكْذِبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ چھوڑ دیجیئے مجھے اور ان لوگوں کو جو اس کلام کی تکذیب کر رہے ہیں۔“

جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے اس گروپ کی سورتوں میں یہ کلمہ (ذَرْنِي فَذَرْنِي) اور یہ اسلوب بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں ایک طرف حضور ﷺ کی دلجوئی کا پہلو ہے تو دوسری طرف آپ کے مخالفین کے لیے بہت بڑی وعید ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں ان کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیئے ان سے میں خود ہی نمٹ لوں گا۔

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”ہم انہیں رفتہ رفتہ وہاں سے لے آئیں گے جہاں سے انہیں علم تک نہیں ہوگا۔“

علماء کے ہاں ”استدرج“ کا لفظ بطور اصطلاح استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد ایسا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے باعث کسی قوم یا کسی فرد پر درجہ بدرجہ (درجہ تدریج اور استدرج کا مادہ ایک ہی ہے) مسلط ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے غلط راستے پر جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کچھ دیر کے لیے ڈھیل دیتا ہے بلکہ بعض اوقات اس راستے پر اسے طرح طرح کی کامیابیوں سے بھی نوازتا ہے تاکہ اس کے اندر کی خباثت پوری

طرح سے ظاہر ہو جائے۔ جب وہ شخص اپنی روش کو کامیاب دیکھتا ہے تو سرکشی میں مزید دیدہ دلیری دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی مہلت کا وقت پورا ہو جاتا ہے اور پھر اچانک اسے عذاب کے شکنجے میں کس لیا جاتا ہے۔

استدراج کی مثال کانٹے کے ذریعے مچھلی کے شکار کی سی ہے۔ شکاری جب دیکھتا ہے کہ مچھلی نے کانٹا نگل لیا ہے تو وہ ڈرو کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے اور پھر جب چاہتا ہے ڈور کھینچ کر اسے قابو کر لیتا ہے۔ لفظ استدراج کی وضاحت کرتے ہوئے یہاں مجھے مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول یاد آ گیا ہے جس میں انہوں نے قیام پاکستان کے بارے میں کہا تھا کہ یہ استدراج بھی ہو سکتا ہے۔ مولانا صاحب رمضان ہمیشہ سلہٹ میں گزارتے تھے۔ ۱۹۴۶ء کے رمضان میں انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ملا علی میں پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کے ٹھیک ایک سال بعد اگلے رمضان (لیلیۃ القدر) میں پاکستان کا قیام واقعاً عمل میں آ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا مدنی کو بذریعہ کشف قیام پاکستان کے بارے میں جس فیصلے کا علم ہوا تھا، ملا علی میں وہ فیصلہ ۱۹۴۶ء کی لیلیۃ القدر میں اس اصول کے تحت ہوا تھا جس کا ذکر سورۃ الدخان کی آیت ۴ میں آیا ہے۔ اس آیت میں لیلیۃ القدر (لَيْلَةَ مُبَارَاةٍ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ کہ اس رات میں (آئندہ سال کے دوران رونما ہونے والے) تمام اہم امور کے فیصلے کر دیے جاتے ہیں۔

مولانا صاحب نظر یاتی طور پر قیام پاکستان کے مخالف تھے۔ ان کے اس انکشاف کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے بجا طور پر ان سے پوچھا کہ اس فیصلے کا علم ہو جانے کے باوجود بھی آپ قیام پاکستان کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ اس پر مولانا صاحب نے جو جواب دیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی (کائنات کی سلطنت کا انتظامی) فیصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے کیا منظور ہے اس کا ہمیں علم نہیں۔ ہمیں چیزوں کے ظاہر اور سامنے نظر آنے والے حالات کو دیکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے سننے سمجھنے وغیرہ کی صلاحیتیں اسی لیے دی ہیں کہ وہ ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے فیصلے کرے۔ چنانچہ اس معاملے میں ہمیں وہی موقف اپنانا چاہیے جس میں ہمیں مسلمانان برصغیر کی بہتری نظر آتی ہو۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کیا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ”استدراج“ کی غرض سے کیا گیا ہو۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خطے کے مسلمانوں کو ڈھیل دے کر

انہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہو۔

قیام پاکستان کے بعد کے حالات کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مولانا مدنی کا خدشہ کافی حد تک درست تھا۔ اہل پاکستان پر عذاب کا ایک کوڑا تو ۱۹۷۱ء میں برسوا تھا۔ اس کے بعد بھی ملک کی مجموعی صورت حال کبھی تسلی بخش نہیں رہی، بلکہ پاکستان کے موجودہ حالات کو دیکھ کر تو یوں لگتا ہے کہ اب ایک فیصلہ کن عذاب ہمارے سر پر آیا کھڑا ہے۔ لیکن میری رائے میں اس کا سبب ”قیام پاکستان نہیں“ بلکہ بحیثیت قوم ہمارا وہ مجموعی طرز عمل ہے جو قیام پاکستان کے بعد ہم نے نظام اسلام کے حوالے سے اختیار کیا ہے۔

آیت ۳۵ ﴿وَأْمُرِي لَهُمْ﴾ ”اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔“

آیت ۳۶ ﴿إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ ”بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔“

آیت ۳۷ ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُثْقَلُونَ﴾ ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں جس کے تاوان کے بوجھ تلے یہ دبے جا رہے ہیں؟“

ان لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آپ ساہا سال سے دن رات محنت کر رہے ہیں۔ اپنی اس محنت کے عوض جب آپ ان سے کسی معاوضے یا اجرت کے طلب گار بھی نہیں ہیں تو یہ لوگ آخر کس لیے پریشان ہیں؟

آیت ۳۸ ﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ﴾ ”یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ رہے ہیں؟“

یہ دونوں آیات (۳۶، ۳۷) جوں کی توں سورۃ الطور میں (آیات ۴۰ اور ۴۱ کے طور پر) بھی آچکی ہیں۔

آیت ۳۹ ﴿فَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ انتظار کیجیے اپنے رب کے حکم کا“

﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ ”اور دیکھئے آپ اُس مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے گا!“

”مچھلی والے“ سے یہاں حضرت یونس علیہ السلام مراد ہیں۔ آپ کی قوم پر جب عذاب کا فیصلہ ماہنامہ **ميثاق** (21) دسمبر 2022ء

ہو گیا تو آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیے بغیر ہی اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کا ذکر سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ میں اس طرح آیا ہے: ﴿إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا﴾ ”جب وہ چل دیا غصے میں بھرا ہوا“۔ آپ کا یہ غصہ حسیت حق میں تھا اور قوم کی طرف سے مسلسل ہٹ دھرمی اور کفر کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس میں خطا کا پہلو یہ تھا کہ آپ نے ہجرت کرنے سے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا۔

﴿إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾ ”جب اُس نے پکارا (اپنے رب کو) اور وہ اپنے غم کو اندر ہی اندر پی رہا تھا۔“

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں انتہائی رنجیدہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (الانبیاء) ”تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔“

﴿لَوْلَا أَنْ تَدْرَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ﴾ ”اگر اُس کی دست گیری نہ کرتا اُس کے رب کا ایک انعام (اور احسان) تو وہ ملامت زدہ ہو کر پھینک دیا جاتا کسی چٹیل زمین پر۔“

حضرت یونس علیہ السلام قدیم عراق کے شہر نینوا میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ شہر بعلبک کے شمال میں واقع تھا۔ دریائے فرات اور دریائے دجلہ اس علاقہ سے گزرتے ہوئے خلیج فارس میں آکر گرتے ہیں۔ آج کل تو یہ دونوں دریا سکڑ کر چھوٹی چھوٹی ندیوں میں تبدیل ہو گئے ہیں، لیکن پرانے زمانے میں تو ظاہر ہے یہ بہت بڑے بڑے دریا ہوں گے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا شہر سے نکل کر ان میں سے کسی دریا کو پار کرنے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی میں آپ کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اشارتاً سورۃ الضُّحٰی کی آیت ۱۴ میں آیا ہے۔ اس کے نتیجے میں آپ کو کسی وہیل مچھلی نے نگل لیا۔ وہ مچھلی خلیج فارس سے ہوتی ہوئی نکران کے ساحل پر پہنچی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ساحل کے کسی مقام پر اس نے آپ کو اگل دیا۔ اُس وقت آپ کی حالت بہت خراب تھی۔ اس موقع پر آپ کو سایہ اور غذا وغیرہ فراہم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یقظین، کا وہ پودا لایا جس کا ذکر سورۃ الضُّحٰی کی آیت ۱۴ میں آیا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اسی پودے کی طرف اشارہ ہے جو اُس وقت آپ کے لیے واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت

ثابت ہوا۔ یقظین کے بارے میں مزید تفصیل جاننے کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الضُّحٰی کی آیت ۱۴ کی تشریح۔

﴿فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”تو اُس کے رب نے اُس کو چُن لیا اور اسے پھر صالحین میں سے کر دیا۔“

حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر کے حوالے سے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بھی سن لیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لَا تُفَضِّلُونِي عَلَىٰ يُونُسَ بْنِ مَتَّى)) ”کہ مجھے یونس بن متی پر بھی فضیلت نہ دو“۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو اپنا جوشِ خطابت اور زورِ قلم دوسرے انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ پوری نوع انسانی سے افضل اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔ لیکن سح ”حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را“۔ آج پوری دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی قائل ہے۔ اس حقیقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ آج ایک عیسائی دانشور مائیکل ہارٹ اپنی کتاب ”The 100“ میں یہ لکھنے پر مجبور ہے:

"My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دنیا کی بااثر ترین شخصیات میں سرفہرست رکھنے کے میرے اس فیصلے پر کچھ قارئین کو حیرت ہوگی اور بعض اس پر سوال بھی اٹھائیں گے، لیکن پوری انسانی تاریخ میں صرف اور صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی واحد شخص ہیں جو مذہبی اور سیکولر دونوں محاذوں پر پوری طرح کامیاب رہے۔“

﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ﴾ ”اور یہ کافر تو تلے ہوئے ہیں اس پر کہ اپنی نگاہوں کے زور سے آپ کو پھوسلا دیں گے جب وہ قرآن سنتے ہیں“

مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ ارادی کو توڑنے کے لیے ہر ممکن طریقہ آزما یا اور

۲۔ تخریج الکشاف للزبلی: ۲۶۴/۱ (غریب جدا)

جدیدیت کے شیطانی ہتھکنڈے

اور

قرآنی تنبیہات

حافظ عاطف وحید رحمۃ اللہ علیہ

(جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں ۱۳/اکتوبر ۲۰۲۲ء کا خطاب جمعہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوت آیات:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ - بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 ﴿أَنَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ
 كَفَرُوا أُولِيئُهُمُ الظَّالِمَاتُ يُخْرِجُهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ط
 أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۵﴾ (البقرة)
 ﴿يَبْنَیْ اَدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوَاتِیْكُمْ وَرِیْشًا
 وَلِبَاسِ الثَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۳۶﴾
 یَبْنَیْ اَدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمْ الشَّیْطٰنُ کَمَا اَخْرَجَ اَبُوْیَکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ
 عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیْہِمَا سَوَاۤءِہِمَا اِنَّہٗ یُرِیْکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ
 لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیْطٰنِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاِذَا
 فَعَلُوْا فَاِحْسَۃً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْہِاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰہُ اَمْرًاۤ اَیْہَاۤ اَقْلٰمُ اِنَّ اللّٰہَ لَا
 یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ط اَتَقْوَلُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ (الاعراف)

آج میں نے خطاب جمعہ کے لیے جو آیات منتخب کی ہیں ان میں ایک تو سورۃ البقرۃ کی
 (آیت ۲۵۷) ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ہدایت کے چینلز کا اور اہل کفر

اس مقصد کے لیے آپ کے خلاف ہر حربہ استعمال کیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک مرحلے
 پر انہوں نے اس مقصد کے لیے ایسے عاملوں کی خدمات بھی حاصل کیں جو اپنی نگاہوں کی خصوصی
 طاقت کے ذریعے کسی کو نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ شاید طبعی طور پر ایسا ممکن ہو۔ ہو سکتا
 ہے کوئی شخص خصوصی مشقوں (exercises) کے ذریعے اپنی آنکھوں میں اپنی قوت ارادی کو
 اس انداز میں مجتمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہو کہ اس کے بعد جب وہ کسی دوسرے شخص کی
 آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے تو وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکے۔ بہر حال اس آیت میں
 مشرکین مکہ کے ایسے ہی اوتھے ہتھکنڈوں کا ذکر ہے۔

﴿وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿۵۱﴾﴾ ”اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔“

سورت کے آغاز اور اختتام کا باہمی ربط نوٹ کیجیے۔ جس مضمون سے سورت کا آغاز ہوا تھا
 اسی پر اس کا اختتام ہو رہا ہے۔ گفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے۔ ان کے اس الزام کی تردید
 سورت کے ابتدا میں بھی کی گئی اور آخر میں بھی۔ پھر یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ اس
 سورت کے آغاز میں حرف ن کیوں آیا ہے۔ دراصل ”ن“ کے معنی ”مچھلی“ کے ہیں جیسا کہ
 سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ذُو الثُّونِ (مچھلی والے) کے لقب
 سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ حرف ن کا معنوی ربط سورت کی ان اختتامی آیات کے ساتھ ہے جن میں
 صاحب الخواتم (حضرت یونس) کا ذکر آیا ہے۔

آیت ۵۱: ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۵۱﴾﴾ ”اور نہیں ہے وہ، مگر ایک یاد دہانی تمام
 جہان والوں کے لیے۔“

یہاں پر ہوں کی ضمیر قرآن کے لیے بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی۔ قرآن مجید کے
 ذکر (یاد دہانی اور نصیحت) ہونے کا تذکرہ تو قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے جبکہ اپنی
 ذات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت تک کے لوگوں کے لیے یاد دہانی ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی
 ذات میں مجسم قرآن ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے: ((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ))
 ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن ہی تو تھا۔“

[بعض مترجمین نے یہاں ”ذکر“ کا ترجمہ ”شرف“ بھی کیا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سارے جہانوں کے لیے وجہ شرف ہیں۔ (مرتب)] ﴿﴾

کے بے ہدایتی کے چینلز کا ذکر کیا ہے۔ تین آیات سورۃ الاعراف کی ہیں جن میں شیطان کے خطرناک ترین ہتھکنڈوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ آج یہ موضوع اس لیے بہت اہم محسوس ہوتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت کے مابین فرق اور امتیاز اٹھتا چلا جا رہا ہے۔ اس وقت بعض ایسی تحریکات سرگرم عمل ہیں جن کے زیر اثر آج کی مسلم یوتھ ہے۔ ان کے سامنے رفتہ رفتہ ایسے معاملات ایک عام سی بات بنتے چلے جا رہے ہیں جن کا دین اسلام میں بڑا حساس مقام ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہم سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں جو ہدایات عطا فرمائی ہیں وہ ان گمراہیوں کے ضمن میں کیا صحیح راستہ عطا فرماتی ہیں۔ ایسے میں امید ہے کہ ہم ان سے نبرد آزما ہونے کی بھی صلاحیت پیدا کر سکیں گے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا:

﴿ اِنَّهُ وَاٰلِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُوْهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط ﴾

”اللہ ولی ہے اہل ایمان کا، وہ انہیں نکالتا رہتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف۔“

جو لوگ اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر واقعتاً اسی کو اپنا رب، خالق، مالک اور مطاع حقیقی سمجھتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ پہلا اہتمام یہ فرماتا ہے کہ وہ ان کا کارساز ولی اور دوست بن جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ: ﴿ يُخْرِجُوْهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط ﴾ ”وہ انہیں نکالتا رہتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف۔“ وہ اہل ایمان کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔

ظلمات سے یہاں مراد کوئی ظاہری اندھیرا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد بد عقیدگی، گمراہیاں، گمراہ کن افکار اور نظریات ہیں۔ طرح طرح کے ایسے افکار و نظریات دنیا میں پھیلے ہی نہیں ہیں بلکہ پھیلے گئے ہیں اور آج وہ گویا ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور دنیا کے لیے متفق علیہ قسم کے اوصاف بن چکے ہیں۔ ان گمراہ کن نظریات کے خلاف اگر کوئی محاذ یا دفاعی نظام ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کے لیے کتاب ہدایت میں عطا فرماتا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿ وَاَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيَٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ﴾

”اور (ان کے برعکس) جنہوں نے کفر کیا، ان کے اولیاء (پشت پناہ، ساتھی اور مددگار)

طاغوت ہیں“

طاغوت، شیطان یا وہ لوگ جو اپنی بڑائی اور بالادستی چاہتے ہیں، جو سن مانی زندگی بسر کرنا چاہتے

ماہنامہ میثاق (27) دسمبر 2022ء

ہیں یہ ایک گروہ کی صورت ایک دوسرے کے ولی (دوست) ہیں۔ یعنی شیطان اور اس کی صُلبی و معنوی ذریت اس کے چیلے چانٹنے، اس کے ایجنٹ۔ یہ لوگ کفر کی زندگی پر خوش اور مطمئن ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ:

﴿ يُخْرِجُوْهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط ﴾

”وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔“

یہ انسانوں کو ہدایت اور نور ایمان کی حالت سے نکال کر انہیں اندھیروں، گمراہیوں، ضلالتوں، بد عقیدگی اور بے دینی میں مبتلا کرنے کے لیے مسلسل سعی و جہد اور محنت کرتے رہتے ہیں۔

﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٥٥﴾ ﴾ (البقرہ)

”یہی لوگ ہیں آگ والے یہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

دوسرا مقام سورۃ الاعراف کا ہے جو کم سے کم تین آیات کا مجموعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓبَنِيَّ اَدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلٰيْكَ مِثَاقًا وَّرِيْثًا ط ﴾

”اے آدم کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرم گاہوں کو ڈھانپتا ہے اور

آرائش و زیبائش کا سبب بھی ہے۔“

یہاں خطاب ہم اور آپ سے ہے کہ اے بنی آدم! یقیناً ہم نے تم پر اتارا ہے ایک لباس جو تمہاری ستر پوشی کرتا ہے، تمہارے شرم کے مقامات کو چھپاتا ہے، اور وہ زیب و زینت بھی ہے۔ یہاں گویا لباس کے دو اہم مقاصد بتائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ستر پوشی کا کام کرتا ہے۔ انسان کے وہ اعضاء جو شرم کے مقامات ہیں انہیں چھپانے اور انسان کی حیا قائم رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ان مقامات کو چھپانا لباس کا بنیادی کام (function) ہے۔ پھر یہ زیب و زینت کا باعث بھی ہے۔ اچھی وضع قطع کا صاف ستھرا لباس، ہوتا انسان کی شخصیت میں وقار پیدا ہوتا ہے، اس کی شخصیت نکھرتی ہے۔ اگر کوئی شخص بد ہیئت لباس پہن لے تو اس کا حلیہ اور اس کی appearance بڑی معیوب سی نظر آتی ہے۔ لباس یہ دونوں کام کرتا ہے، لیکن اس کا بنیادی کام ستر پوشی ہی ہے۔

﴿ وَاَلْبِئٰسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ط ﴾

”اور (اس سے بڑھ کر) تقویٰ کا لباس جو ہے وہ سب سے بہتر ہے۔“

تقویٰ کے لباس سے مراد شرم و حیا ہے۔ یہ ایمان کی بنیاد ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے

”لباسُ التَّقْوٰى“ کی تفسیر شرم و حیا سے کی ہے۔

ماہنامہ میثاق (28) دسمبر 2022ء

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾

”یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت اخذ کریں۔“

یہ اللہ کے احکامات ہیں، اس کے فرامین ہیں، تاکہ لوگ سمجھیں اور نصیحت اخذ کریں۔ آگے فرمایا:

﴿يٰۤاٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكَ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اَبَوَيْكَ مِنْ اَدْنٰمَ لَا يَفْتِنَنَّكَ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اَبَوَيْكَ مِنْ اَدْنٰمَ

﴿اٰءَمْرًاۙ اَنْ تَقُوْلَ لِلنَّاسِ اِنِّيْٓ اِلٰهُۙ اَوْ اَنْ تَتَّخِذَ لِلنَّاسِ حُجُوْبًاۙ وَاَنْ تَقُوْلَ لِلنَّاسِ اِنِّيْٓ اِلٰهُۙ اَوْ اَنْ تَتَّخِذَ لِلنَّاسِ حُجُوْبًاۙ﴾

”اے بنی آدم! (دیکھو اب) شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے، جیسے کہ تمہارے

والدین کو اُس نے جنت سے نکلوا دیا تھا (اور) اُس نے اُتروادیا تھا اُن سے اُن کا

لباس، تاکہ اُن پر عیاں کر دے ان کے شرم کے مقامات۔“

آدم وحواءؑ کے جنت سے نکلنے کا جو سارا واقعہ قرآن حکیم میں بارہا بیان ہوا ہے

یہاں اس کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان انہیں جنت سے نکالنے کا ذریعہ بنا۔ اس نے ایک مغالطہ

پیدا کیا۔ حضرت آدم اور حضرت حواؑ کے سامنے طرح طرح سے قسمیں کھائیں اور اپنی بات کو

بااعتبار بنانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس درخت کا پھل کھانے سے انہیں روکا گیا تھا وہ

دونوں اسے کھا بیٹھے۔ ان سے ایک معصیت سرزد ہوگئی، جو شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے

ہوئی۔ اس نے ایک بڑی illusion پیدا کی کہ اللہ نے جس چیز سے تمہیں روکا ہے وہی تو اصل

شے ہے۔ چنانچہ اُس نے ان سے ان کے لباس اُتروادیے یعنی بے پردگی طاری کر دی۔ ان

کے شرم کے مقام جو اللہ نے چھپائے ہوئے تھے ظاہر ہو گئے۔ جنت کا جو خاص لباس فاخرہ تھا وہ

اُتر گیا اور ان کے سامنے آپس میں بے پردگی کا اظہار ہو گیا۔ آگے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ يَرٰكُمۡ هُوَ وَقَبِيْلُهُۥ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ﴾

”یقیناً وہ اور اُس کی ذریت وہاں سے تم پر نظر رکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں دیکھ

نہیں سکتے۔“

شیطان بڑا خطرناک دشمن ہے۔ اس لیے کہ ایک دشمن وہ ہوتا ہے جو سامنے آکر وار

کرتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ یہاں موجود ہے۔ آپ اس سے محتاط بھی رہ سکتے ہیں، دفاع بھی

کر سکتے ہیں۔ ایک دشمن وہ ہے جو آپ کو نظر ہی نہیں آ رہا، آنکھوں سے اوجھل رکھا گیا ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ تمہیں دیکھتے ہیں۔ یہاں شیاطین جن مراد ہیں۔ اب

تو شیاطین انس بھی ہیں جنہوں نے ایسی ایسی ڈیوائسز ایجاد کر لی ہیں کہ بہت ہی نجی قسم کی

ماہنامہ میثاق (29) دسمبر 2022ء

ملاقاتیں اور گفتگوئیں بھی ریکارڈ پر لا کر آپ کے سامنے ظاہر کر دیتے ہیں۔ آخر ایک طرح سے

وہ دیکھ ہی رہے ہیں۔ گویا اب یہاں شیاطین جن و انس کا آپس میں ایسا گٹھ جوڑ (nexus) بن

گیا ہے کہ ان کے مابین کوئی فرق نہیں رہا۔ آگے فرمایا:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطٰنِ اَوْلِيَاۤءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾

”ہم نے تو شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔“

جو لوگ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرنا چاہتے اصل میں ان کا حمایتی ولی اور کارساز

شیطان اور اس کا قبیلہ ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاْحِشَةًۭ قَالُوْا وَ جَدْنَا عَلٰیہَاۤ اٰبَاءَنَا وَاَللّٰهُ اَمْرًاۙ اٰمْرًاۙ﴾

”اور جب یہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے پایا ہے یہی کچھ

کرتے ہوئے اپنے آباء و اجداد کو اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔“

یہاں ”فاحشہ“ کا لفظ لایا گیا ہے جس میں بے حیائی کے کام تو شامل ہیں ہی، لیکن عربی

زبان میں فاحشہ صرف بے حیائی کے کاموں کو ہی نہیں کہا جاتا بلکہ اس میں بڑے بڑے منکرات

اور غلط کام بھی شامل ہیں۔ خاص طور پر ذہن میں رکھیے کہ یہاں مخاطبین قریش کے وہ لوگ ہیں

جنہوں نے دین ابراہیمی کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ بیت اللہ شریف میں آتے تھے تو اپنے ہی طور

طریقے اختیار کرتے تھے۔ دور جاہلیت میں بیرون مکہ سے آنے والوں پر پابندیاں لگائی ہوئی

تھیں کہ چونکہ ان کا لباس آلودہ ہوتا ہے، مختلف قسم کے گناہوں سے لٹھڑا ہوا ہوتا ہے لہذا وہ اسے

اُتار کر آئیں۔ لہذا دن کے وقت مرد بے لباس ہو کر طواف کر رہے ہوتے اور رات کے اوقات

میں عورتیں بے لباس ہو کر طواف کر رہی ہوتیں۔ یہ طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ یوں

وہاں کے ہوس پرست لوگ ان کو تاکتے تھے اور پھر باتیں اور اسکینڈلز بناتے تھے۔ یہ بیچ کام

مطاف کے اندر عین بیت اللہ شریف کے اطراف میں ہو رہا تھا۔ جب ان کو اس قسم کے

کاموں کے بارے میں بتایا جاتا تھا کہ یہ تم نے کون سا طریقہ اختیار کیا ہوا ہے یا دوسرے منکرات

کا ارتکاب کرنے پر کہا جاتا کہ اُن کی شریعت ابراہیمی میں کوئی حیثیت نہیں، تو وہ کہتے تھے کہ یہ

ہمارے پڑھوں کی روایات ہیں اور آباء و اجداد کا طریقہ ہے۔ لہذا ہم ان طریقوں کو ہی فالو

کریں گے اور یہ صحیح طریقے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک الزام تھا جس کا جواب قرآن نے بڑے واضح

طور پر کئی جگہوں پر دے دیا:

ماہنامہ میثاق (30) دسمبر 2022ء

﴿أُولَٰئِكَ كَانَ آتَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾﴾ (البقرة)

﴿..... لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٣﴾﴾ (المائدة)

کیا یہ پھر بھی اپنے آباء کی پیروی کریں گے اگرچہ وہ نہ تو عقل رکھتے تھے نہ ہدایت پر تھے نہ ہی ان کے پاس علم تھا۔ پھر بھی انہی کے پیچھے چلیں گے؟ یہ مختلف انداز مختلف مقامات پر اختیار کیے گئے۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ یہ اصل میں اللہ پر بالواسطہ الزام (allegation) لگا یا گیا۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ اگر ہمارے آباء یہ کرتے تھے تو یقیناً انہیں حکم ہوا ہوگا۔ لہذا اگر ہم اپنے آباء کی اتباع کر رہے ہیں تو اصل میں ہم اللہ ہی کے حکم کو فالو کر رہے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ:

﴿قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۗ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا لَا

تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾﴾

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ تو کیا تم

اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ کچھ جس کا تمہیں کوئی علم نہیں!“

اس وقت اہم ترین بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ نے شیطان کی پیروی قرار دیا ہے ان میں ایسے فحش اور منکرات شامل ہیں جو آج اس طرح عام ہو گئی ہیں کہ ان کے اور دین کی اصل تعلیمات کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کی وہ آیات بھی ذہن میں رکھیے جن میں شیطان کے نقش پا کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ آیات قرآن مجید میں کم سے کم چار مقامات پر آئی ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ایک مقام پر فرمایا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِنَّا فِي الْأَرْضِ حَلَلًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ﴾ (البقرۃ: ۱۶۸)

”اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور طیب ہے اسے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی

پیروی نہ کرو۔“

یعنی ایسی بد عقیدہ گیاں مت اختیار کرو کہ فلاں اشیاء حرام ہیں حالانکہ وہ حرام نہیں تھیں۔ انہوں نے بعض حلال چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہوا تھا۔ قرآن مجید ایک مرتبہ نہیں بلکہ چار مرتبہ یہ حکم دے رہا ہے کہ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ اگر یہ کوئی غیر اہم random تصور یا arbitrary

ماہنامہ ميثاق (31) دسمبر 2022ء

بات ہوتی تو اس شد و مد کے ساتھ چار مرتبہ حکم نہ دیا جاتا۔ یہی بات سورۃ البقرۃ میں پھر فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ﴾ (البقرۃ: ۲۰۸)

”اے اہل ایمان! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے اور شیطان کے نقش

قدم کی پیروی نہ کرو۔“

یعنی اسلام کے تقاضوں میں تفریق کر دینا کہ اس کو تو ہم مانیں گے اور اس کو نہیں مانیں گے، یہ امور ہمارے لیے مشکل ہیں ایسا طرز عمل درحقیقت شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی فرمایا:

﴿كُلُوا مِنَّا رِزْقًا مِّنْ اللَّهِ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ إِنَّهُ لَكُمْ

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾﴾

”کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی

نہ کرو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

یہی بات پھر سورۃ النور میں بھی فرمائی گئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعْ

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ﴾ (النور: ۲۱)

”اے اہل ایمان! شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ اور جو کوئی شیطان کے نقش

قدم کی پیروی کرے گا تو شیطان تو اُسے بے حیائی اور برائی ہی کا حکم دے گا۔“

یہ میں نے اس موضوع پر اہم ترین آیات آپ کے سامنے پیش کی ہیں جن میں شیطان کا ایک بہت بڑا ہتھکنڈا یہ بتایا گیا ہے کہ وہ تمہیں فحاشی اور منکرات کا راستہ دکھائے گا۔ آج کل ہمارے معاشرے میں بعض اصطلاحات ایسی عام ہوئی ہیں اور انہیں ایسے قبول (recognise) کر لیا گیا ہے گویا یہ basic human faculties ہیں جو تمام انسانوں میں متفق علیہ ہیں۔ چودھویں صدی عیسوی میں ”Renaissance“ کی تحریک نے سراٹھایا جو سوہویں صدی تک جاری رہی۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہی تھا کہ روایت یا مذہب ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، منطق (logic) جسے میں عقل گزیدگی کہوں گا، اور فلسفے اور آرٹ ہی کے ذریعے بام عروج تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہی علوم تمہاری خواہشات کی تسکین کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ

ماہنامہ ميثاق (32) دسمبر 2022ء

”Renaissance“ کی تحریک کو بڑے اچھے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ”احیاء العلوم“ کی تحریک تھی۔ لیکن اس کے پس پردہ اصل شے بے دینی اللہ سے دُوری، مذہب بیزاری اور سب سے بڑھ کر اپنی عقل اور اپنی دانش پر انحصار تھا۔ پھر اس تحریک نے آگے بڑھ کر مختلف شکلیں اختیار کیں۔ چنانچہ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں اس نے ایک نیا موڑ لیا جسے روشن خیالی (Enlightenment) کہا جاتا ہے یعنی تحریک تنویر۔ دراصل جب پرانی باتوں کا اثر ختم ہو جائے تو پھر نئے بت تراشنے پڑتے ہیں، جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا:۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں

اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

یعنی آدم تو بوڑھا ہو چکا ہے لیکن لات و منات اور گمراہی کے مختلف بڑے بڑے نت نئے سلوگنز انسانوں کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ بڑی اچھی بات ہے کہ روشن خیالی ہونی چاہیے لیکن اصلاً یہ خدا بیزاری اور دین سے دوری کا ذریعہ اور سبب بن رہی ہے۔ روایات کو تبدیل کر رہی ہے۔ قرآن پڑھنے اور پڑھانے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ کوئی کرنے کا کام ہے؟ اگر آپ ترقی کرنا چاہتے ہو تو سائنس اور فلسفہ پڑھو۔ یہ باور کرایا جاتا ہے کہ انہی علوم کے باعث دنیا آگے نکل گئی اور کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ سب وہی کہہ سکتا ہے جس کے پیش نظر صرف دنیا ہے اسے آخرت سے کوئی سروکار نہیں۔ بادی النظر میں دیکھا جائے تو یہ نہایت خوب صورت عنوانات ہیں، لیکن ان کے پس پردہ جو کچھ ہے وہ اکثر ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

پھر ”فیمینزم“ کی تحریک کے ذریعے ایک نیا قدم اٹھایا گیا ہے۔ ”تحریک نسواں“ بظاہر بہت اچھی نظر آتی ہے کہ مرد کے ہاتھوں عورتوں کا استحصال ختم کیا جائے۔ انسانوں کا معاشرہ ہمیشہ سے male-dominant معاشرہ رہا ہے۔ عورتوں کا استحصال یقیناً ہوتا ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسے کیسے دور کیا جائے۔ آسمانی ہدایت کی روشنی میں اس ظلم کے خاتمے کی تدابیر کرنا بالکل جدا شے ہے، لیکن فیمینزم کے تحت عورت اور مرد کو ہر اعتبار سے برابر قرار دے کر ان کے استحصال کو رفع کرنا بالکل جدا معاملہ ہے۔ چنانچہ انیسویں صدی میں اس کی پہلی لہر (wave) آئی تھی جس میں یہ کہا گیا کہ قانونی اعتبار سے عورتوں اور مردوں میں مساوات ہونی چاہیے۔ اگرچہ یہ برابری کا نعرہ ہے لیکن یہ حق اپنے صحیح معنوں میں وہ خود بھی دینے کو تیار نہیں ہیں۔

ماہنامہ میثاق (33) دسمبر 2022ء

درحقیقت یہ برابری بھی استحصال کا ذریعہ ہے۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے، لیکن درحقیقت اس سے عورتوں کا مزید استحصال ہوتا ہے، اگرچہ ظاہر میں یہ بڑا خوشنما سلوگن ہے۔ اس کے بعد بیسویں صدی میں بات بہت آگے پہنچادی گئی کہ تمدنی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی طور پر اپنی سوچ، فکر اور فیصلہ سازی وغیرہ کے اعتبار سے عورت مرد کے بالکل برابر ہے۔ اس پر کوئی قدغن نہیں اور آسمانی دباؤ تو دور کی بات ہے، اخلاقی دباؤ بھی کوئی نہیں۔ چنانچہ اس ذریعے سے شیطان نے ایک نیا ہتکنڈا اختیار کیا۔ اسی کا یہ مظہر ہے کہ آج حکومتی سطح پر بڑی بڑی مجالس اور تقریبات میں وومن ایمپاورمنٹ کا دعویٰ کیا جا رہا ہوتا ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانا بظاہر بڑی اچھی بات ہے کہ اس کے ذریعے وہ معاشرے کا اچھا اور مفید شہری بنیں لیکن زمینی حقائق یہ نظر آتے ہیں کہ اس کا مقصد خاندانی نظام کو درہم برہم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرار دیا ہے کہ:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ

وَبِمَا آتَفَقُوا مِنْ أَمْرِ إِلَهُمْ﴾ (النساء: ۳۴)

”مرد عورتوں پر حاکم ہیں بسبب اس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے اور بسبب اس کے کہ جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال۔“

آج یہ سارے دینی اور اخلاقی ضابطے ایک طرف کر دیے گئے ہیں۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ ایک دفعہ اگر عورت کو یوں گھر سے نکال دیا تو پھر باقی کا تخربہ ہی کام خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ ”حریت نسواں“ (woman emancipation) اور ”خود مختاری نسواں“ (woman empowerment) وغیرہ مختلف عنوانات ہیں جن کے تحت شیطان کے جدید ”خطوات“ نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔

اس سارے پس منظر میں آج کی سب سے بڑی ضرورت یہ نظر آتی ہے کہ ان فتنوں کو پہچانا جائے۔ اگر ہمیں اپنی اور آئندہ نسلوں کے ایمان کی فکر ہے اور انہیں شیطان کی ان ساری چالوں سے آگاہ کرنا مقصود ہے تو ہمیں ان فتنوں کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔ ان کا ظاہر اپنی جگہ بڑا خوبصورت اور خوش رنگ ہے جبکہ ”اندروں چنگیز سے تاریک تر“ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمات ایمان اور حیا کے ضمن میں عطا فرمائی ہیں، میں چند احادیث آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ حق و ناحق کا فوری تقابل نمایاں ہو جائے۔

ماہنامہ میثاق (34) دسمبر 2022ء

حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقَ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ)) (رواہ ابن ماجہ: ۳۱۸۲، والطبرانی: ۳۸۹/۱۰) ’ہر دین کا کوئی نہ کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔‘ ہر دین کی ایک الگ ایک خاص علامت ہوتی ہے۔ حیا ایک باطنی کیفیت ہے۔ یہ انسان کی ایک فطری صلاحیت اور بنیادی وصف ہے جو اس کی سیرت سازی میں سب سے موثر کردار ادا کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَدَأُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ)) (مسند احمد: ۱۰۵۱۹) ’حیا ایمان سے ہے (ایمان کا لازمی جزو ہے) اور ایمان جنت میں داخلے کی ضمانت ہے اور بے شرمی و بے حیائی جفا ہے (بدکاری ہے) بد عملی ہے) اور اس کا انجام آگ ہے۔‘

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُرْنَا جَمِينًا)) حیا اور ایمان دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں۔‘ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص کہے کہ میں ایمان والا ہوں جبکہ وہ بے حیا بھی ہو۔ کوئی بے حیا شخص ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے فرمایا: ((فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ)) (مستدرک الحاکم: ۵۸۔ صحیح الجامع: ۱۶۰۳) ’ان دونوں میں سے ایک چیز اگر اٹھالی جائے تو دوسری چیز از خود ختم ہو جاتی ہے۔‘ یعنی ایمان چلا گیا تو انسان بے حیا ہو جائے گا اور حیا اٹھ گئی تو انسان بے ایمان ہو جائے گا۔

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَجِبْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) (صحیح البخاری: ۳۴۸۳) ’پچھلی نبوتوں کی باتوں میں سے جو کچھ لوگوں نے اعلیٰ ترین بات اخذ کی ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ اگر تم میں حیا نہ رہے تو پھر جو چاہو کرتے پھرو۔‘ پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ چاہے انسان شیطان کے بھی کان کترنے لگے اور اس سے بھی کہیں آگے بڑھ کر جہنم کے راستے پر بگ ٹٹ بھاگے۔ یہ سب ممکنات ہیں اگر انسان کے اندر سے شرم و حیا نکل گئی۔ ع بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن!

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الْحَيَاءُ

لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ)) (متفق علیہ) ’حیا سے خیر ہی برآمد ہوتا ہے‘۔ یہ الفاظ متفق علیہ حدیث کے ہیں جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ((الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ)) أَوْ قَالَ: ((الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ)) یعنی حیا تو کل کی کل خیر ہی خیر ہے۔ یہ اصل میں آج کے دور کی ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ اگر کوئی شخص شرمیلا (shy) ہے اس کے اندر بے باکی نہیں ہے تو وہ مادی ترقی میں پیچھے رہ جائے گا اور دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ حیا سے بالآخر خیر ہی برآمد ہوگا۔

یہ چند باتیں خاص طور پر اس نسبت سے عرض کی گئی ہیں کہ اب ہمارے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ اس وقت معاملات ‘Renasissance’ روشن خیالی، فیمینزم اور وومن ایمپاورمنٹ سے بہت آگے جا چکے ہیں اور اب ’ٹرانس جینڈرز‘ کے نام پر بہت کچھ ہوا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان فتنوں سے متنبہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ان لوگوں کو اجر سے نوازے جنہوں نے اس بڑے فتنے سے لوگوں کو آگاہ کیا!

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورہ ترجمہ قرآن
- ☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوت قرآن دروس قرآن دروس حدیث اور خطابات جمعہ
- ☆ صحیح بخاری صحیح مسلم موطا امام مالک اور ابن ماجہ نووی کے تراجم
- ☆ بیثاق حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو ریڈیو کیسٹس سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

واہ! ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ڈاکٹر محمد شریف نظامی *

یہ تحریر داعی قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کے اگلے ہی روز صاحب مضمون کے نوک قلم پر آگئی تھی، لیکن وہ اسے اشاعت کے لیے ارسال نہ کر سکے۔ ہمیں یہ تحریر چند روز قبل موصول ہوئی ہے اور اسے نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔

قارئین کرام! ”یاد رفتگان“ کے تحت بیسیوں تحریریں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ آپ نے یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ ان کا آغاز تو ”آہ!“ سے ہوتا ہے۔ اس ”واہ!“ کے کیا معنی؟ آپ کا یہ تاثر بالکل درست ہے۔ اگرچہ یہ تحریر پر نرم آنکھوں کے ساتھ سطور کا روپ دھار رہی ہے..... لیکن ”اَلَسَّنْتَ بِرَبِّكَ كَهْم؟“ کی پکار پر جب ڈاکٹر صاحب مرحوم کی روح پر فتوح نے ”بئٰی وَرَبِّنَا“ کی صدا بلند کی تو اس عالم رنگ و بو میں آکر عامۃ الناس کے برعکس اس عہد کو نبھایا اور خوب نبھایا۔ دراصل یہ ”واہ“ اسی امر کا غماز ہے۔ یہاں میں ان کے مرشد سید مودودیؒ کا تذکرہ نہ کروں تو بھی نا انصافی ہوگی۔ کل جب ان کا جنازہ پڑھ کر واپس آرہے تھے تو ایک صاحب ذوق نے بے ساختہ کہا: ”مولانا مودودیؒ کا تراشا ہوا یہ ہیرا آج تہ خاک روپوش ہو گیا۔“ میں سوچنے لگا: ہمارے ان دوست نے اگرچہ ہر دو حضرات کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ خراج تحسین پیش کیا ہے لیکن بقول حافظ شیرازی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

”جن کے دل عشق سے زندہ ہوتے ہیں وہ کبھی مر نہیں کرتے“ کیونکہ صحیفہ ہستی پر ان کا نام نقش بر حجر کی طرح ثبت ہو جاتا ہے۔“

* چیف سائیکھک آفیسر (ر) رحمان پورہ کالونی لاہور

ڈاکٹر اسرار مرحوم کو پہلی بار ۲۰۱۹ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے آڈیٹوریم میں سنا۔ ہم ان دنوں پنجاب یونیورسٹی میں ہوسٹلز میں کمرے نہ ملنے کی وجہ سے وہاں ایک دوست کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ”معجزات کی حقیقت اور ان کے وقوع“ پر بات کی۔ ان کا یہ لیکچر سلاست فکر، دلیل قاطع اور عقل انسانی کو اپیل کا حسین مرقع تھا۔ جس انداز سے انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کی، نطق اس کی بلائیں لینے لگا اور علم الکلام کے رنگ بر رنگ پھول کھلتے دکھائی دیے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا کہنا تھا کہ ”دنیاے آب و گل“ مادے کی خصوصیات کا کھیل ہے۔ پانی بہتا ہے آگ جلاتی اور ہوا زور سے چلتی تو تباہی مچاتی ہے۔ جو شخص ان کو ”خدا“ سمجھتا ہے وہ معجزات کا منکر ہے۔ پھر ذرا آگے قدم بڑھاتے ہوئے فرمایا: ”درحقیقت یہ سب تو خدائے واحد کے غلام اور عاجز بندے ہیں۔ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے آگ جلاتی ہے، جب فرمان جاری ہو کہ ٹھنڈی ہو جا تو ٹھنڈی ہو جاتی ہے، بلکہ گلزار بن جاتی ہے۔ پانی کو عموماً بہنے کا حکم ہے، لیکن مصلحت ہو تو اسے جم کر تو دے بن جانے کا کہہ دیا جاتا ہے اور اکثر انسانوں کے علی الرغم وہ اس سے سرتابی نہیں کرتا۔“ مزید فرمانے لگے: ”یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ صاحب اختیار اپنے ماتحتوں کو از خود اختیارات منتقل کرتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس!“

دوسری بار جامعہ پنجاب کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب (مرحوم) کا خطاب سننے کا اتفاق ہوا۔ ان دنوں لیاقت بلوچ صوبہ پنجاب کے لیے اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم ہونے کے باوجود ”کلین شیو“ تھے۔ جمعیت کے ذمہ داران کے چہرے اکثر و بیشتر سنت نبوی سے مزین ہوتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب خود اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہ چکے تھے لہذا ان کو یہ بات ناگوار گزری۔ ”واعظانہ انداز“ سے بالکل ہٹ کر کہنے لگے: ”لیاقت بھائی! ہمارے دور میں تو آپ جیسے لوگوں کی داڑھیاں ہوا کرتی تھیں۔“ سچ ہے کہ رع ”از دل خیز دو بردل ریز دو“ بات دل سے نکلی اور دل پر ہی جاگی۔ یا پھر علامہ اقبالؒ کی زبان میں۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں طاقت پرواز نگر رکھتی ہے!

بہر حال امر واقعہ یہی ہے کہ کچھ عرصے بعد لیاقت بلوچ باریش ہو گئے۔

ہر چند کہ اظہار تاثرات کی طوالت بھی پیش نظر ہے لیکن یادوں کی کہکشاں میں ہر آن نت

شرم و حیا: شعورِ ذات کا تقاضا

راحیل گوہر صدیقی*

تحقیق و تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر فرد میں شعورِ ذات (Self-Realization) کی صلاحیت پیدا کنی طور پر موجود ہوتی ہے۔ اسے انسانی زندگی کے رہنما اصولوں کا ایک ایسا نظام یا وہ بیج کہا جاسکتا ہے جو پیدائش کے وقت ہر فرد میں بالقوہ موجود ہوتا ہے اور سازگار حالات میں تناور درخت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر فرد فطری طور پر ان رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنی ذات کی نشوونما فروغ اور استحکام کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ انسان کا ہر فعل خواہ اس کا تعلق جسمانی ضرورتوں کی تسکین سے ہو یا کسی ذہنی عمل سے، انہی اصولوں کے حوالے سے سرانجام پاتا ہے۔

امریکی ماہر نفسیات کارل روجرز (Carl Ransom Rogers) کا خیال ہے کہ ہر فرد اپنی تمام تر صلاحیتوں کا اظہار ان کی نشوونما اور تکمیل چاہتا ہے۔ جب فرد اپنی پیدائشی صلاحیت کو فروغ دے لیتا ہے تو وہ ایک بھرپور اور صحت مند شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔ روجرز کے مطابق چونکہ ہر فرد بعض مخصوص حالات میں نشوونما پاتا ہے اور مخصوص تجربات سے گزرتا ہے لہذا شعورِ ذات کا عمل انہی حالات اور تجربات کی بنیاد پر سرانجام پاتا ہے۔ ایسی شخصیت کا مالک فرد اپنی ذات اور انفرادیت کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے اور بے چون و چرا وہی کچھ کرنا شروع کر دیتا ہے جو اس کے گرد و پیش میں لوگ کرتے ہیں۔ دراصل کسی بھی معاشرے میں لوگوں کی کثیر تعداد تقلیدی ذہن لے کر پیدا ہوتی ہے اس لیے جو کچھ ان کے ارد گرد ہورہا ہوتا ہے وہی کرنے لگتی ہے۔ تسلیم شدہ امور کو اسی طرح ماننا شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ عمل اس کی ذات پر کیا اثرات مرتب کرے گا، اس کا شعور اسے نہیں ہوتا۔ ماحول کا اثر اس کے فہم و فکر پر ایک دھندسی طاری کر دیتا ہے، جس طرح عینک کے شیشوں پر اگر نمی آجائے تو کچھ بھائی نہیں دیتا۔

Email: raheelgoher5@gmail.com

نئے سیارے نمودار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یومِ اقبال اور ایسے دیگر مواقع پر بعض سیکولر ”دانشور“ اپنا پرانا راگ الاپتے اور اس عمل کے دوران کچھ لوگ ان کے زورِ بیان سے متاثر ہوتے بھی نظر آتے، لیکن اگر ڈاکٹر صاحب مرحوم وہاں موجود ہوتے تو اپنی تقریر میں اس مدلل اور مسکت انداز سے ان کی ”خبر“ لیتے کہ اب دل پر منوں بوجھ محسوس کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے۔

اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

شب کی سنگین سیاہی کو مبارک کہہ دو!

لیکن نہیں! فہم قرآن کے جو چراغ آپ نے خونِ جگر سے روشن کیے ہیں ان کی ضوفنائیاں تاباں ”تاریکیوں“ کا ان شاء اللہ تعاقب کرتی رہیں گی۔

احقر کے تجربہ کے مطابق ہمارے معاشرے کے اکثر اہل علم و دانش کا یہ چلن ہے کہ بڑے دانشورانہ انداز سے حالات کا تجزیہ کریں گے، ان کی خرابی پر فارسی زبان ہی نہیں عربی زبان کی گردان کریں گے (فارسی گرامر میں فعل کے چھ صیغے اور عربی زبان میں چودہ ہوتے ہیں) اور دینی سیاسی جماعتوں میں ”مائیکروسکوپ“ لگا کر ”جرائیم“ تلاش کریں گے، لیکن میدانِ عمل میں وہ صفر کہ جو پورے کرۂ ارض پر محیط ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور اس پس منظر میں بھی منفرد نظر آتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی سے طریق کار پر اختلاف ہوا تو نہایت شائستگی سے الگ ہو گئے لیکن نظرِ نصب العین سے سرمو نہیں ہٹی۔ انجمن خدام القرآن کے نام سے دعوتی و اشاعتی ادارہ قائم کیا اور تنظیمِ اسلامی کے نام سے ایک اسلامی انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈالی۔ یوں ”خ“ ہوتا ہے جاہ پیا پھر کارواں ہمارا“ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدانِ عمل میں کود پڑے۔ آپ واحد فرد تھے (جماعتوں کے علاوہ) جنہوں نے سب سے پہلے پیغامِ قرآن کا علم اپنے ہاتھوں میں تھاما۔ علامہ اقبال کی زبان میں۔

گمان آباد ہستی میں یقین مردِ مسلمان کا

بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

یقین کی یہ قندیل تادمِ آخر انہوں نے تھامے رکھی۔

قارئین کرام! یہ سطور قلم برداشتہ ہیں اور ان کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا مشن ”دعوتِ رجوع الی القرآن“ ہر باشعور مسلمان کا مشن بن جانا چاہیے۔

(باقی صفحہ 72 پر)

بعض اوقات ہم قدرتی حوادث کی وجہ سے اپنی کسی خواہش کی تسکین سے قاصر رہ جاتے ہیں اور یوں مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سیلاب، زلزلہ، طوفان یا آسمانی بجلی کے گرنے سے انسانی زندگی میں خلل دکھ اور مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ تاہم ہماری زیادہ تر مایوسی یا خبیثت ایسی ہے جو انسانوں کے باہمی تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسے ہم انسانی یا معاشرتی وجوہات کی بنا پر پیدا شدہ مایوسی کہیں گے۔ انسان کے انسان پر جبر سے پیدا شدہ خبیثت بھی نوع انسانی کے مقدر کا حصہ ہے۔

ایک اہم مسئلہ انسان کے اس ماحول کا بھی ہے جس میں وہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اس میں داخلی و خارجی دونوں عوامل شامل ہوتے ہیں۔ داخلی عوامل میں گھر اور خاندان کی وہ تربیت ہے جو بچے کے اخلاق و کردار پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ عہد طفولیت میں ہوئی اچھی یا بری تربیت انسان کی عمر کے آخری حصے تک اس کی ذات سے چھٹی رہتی ہے۔ عام طور سے بچے کی بری تربیت اس کے ساتھ بے جالا ڈبیرا کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بچے کی جائز اور بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا یقیناً والدین کا فرض ہے لیکن خواہش اور ضرورت میں فرق ہوتا ہے۔ خواہشات کی تو کوئی حد ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو نہ کسی کی پوری ہوئی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جو خام ہے!

اس دنیا میں انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے خارجی معاملات اور اس کے بھیا تک نتائج نہایت تشویش ناک ہیں۔ یہی وہ گہبیر مسائل ہیں جنہوں نے انسانی معاشرت سے اخلاق و اعلیٰ کردار کے جوہر خالص کا جنازہ نکال دیا ہے۔ خاص طور پر آج کا مسلمان معاشرہ تو اس کے فریب زدہ گرداب میں پھنس کر تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ باہمی حقوق کی حق تلفی، آپس کی رنجشیں جو اکثر قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہیں، پر تعیش زندگی کے لیے جعل سازیاں اور مکاریاں، نام نہاد غیرت کے نام پر لڑکوں اور لڑکیوں کا قتل، عصمت دری، کمن بچیوں اور بچوں کو درندگی کا نشانہ بنانا، جیتے جاگتے انسانوں کو معمولی باتوں پر جان سے مار دینا اور انہیں زندہ جلا دینا۔ یہ ایسے انسانیت سوز مظاہر ہیں جو معاشرے کا امن و سکون غارت کر دینے کا باعث ہیں۔

اقوام عالم نے اپنے معیار زندگی خود مرتب کر لیے ہیں اور رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ انسانی زندگی کے تمام گوشے واضح طور پر کتاب اللہ میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ ان کو عملی صورت دینے کے لیے اللہ سبحانہ ماہنامہ **میتاق** (41) دسمبر 2022ء

و تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمایا، تاکہ کوئی بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو علم ہی نہیں تھا کہ تیرے احکام کی تعمیل کیسے کریں! ارشادِ باری ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ
وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَذِكْرٍ﴾ (الاحزاب)

”بے شک رسول اللہ ﷺ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔“

عہدِ حاضر میں سب سے زیادہ گہری ضرب انسان کے اخلاق، اُس کی عصمت و پاکیزگی اور صالح کردار پر لگائی گئی ہے۔ اخلاق کی رفعت و عظمت کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ اس عملِ قبیح میں اپنے پرانے سب شریک ہیں اور قدم سے قدم ملا کر چل رہے ہیں۔ اس ”کار خیر“ میں میڈیا ہر اول دستے کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اخلاق و کردار کی پاکیزگی کو ملیا میٹ کرنے کا سکرپٹ اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے آتا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کے بگاڑ اور نسلوں کی تباہی و بربادی کی ایک بڑی وجہ شرم و حیا سے عاری میڈیا ہی ہے۔ یہ انسان کے اندر چھپی شیطنت کو ابھارنے اور اس کے نفسِ امارہ میں انتشار و ہیجان پیدا کرنے میں بڑا کردار ادا کر رہا ہے۔ پرنٹ اور خاص طور پر الیکٹرونک میڈیا اس وقت عالمی استعماری قوتوں کا آلہ کار بن چکا ہے۔ ہمارا ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ بھی اس یلغار کا شکار ہے۔ جس انداز سے میڈیا کے ذریعے عورت کی تذلیل کی جا رہی ہے وہ ایک اسلامی معاشرے کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

کیبل اور انٹرنیٹ نے تو ہماری غیرت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ٹی وی ڈراموں، فلموں، ناچ گانوں کے وایاٹ پر وگر امز اور ان کے درمیان چلنے والے اشتہارات میں عورت کو نیم عریاں حالت میں دکھایا جاتا ہے۔ ایسی چیزوں کی تشہیر کی جاتی ہے کہ جسے فیملی کے افراد ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھ ہی نہیں سکتے۔ حد تو یہ ہے کہ مردانہ استعمال کی بھی کوئی شے (product) ایسی نہیں جس میں عورت جلوہ گر نہ ہو۔ بلیڈ، شیونگ کریم اور لوشن جیسی پروڈکٹس میں بھی کوئی نہ کوئی خوب رو عورت اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ اخلاقی گراؤٹ میں تھڑے اس سارے کھیل میں ملٹی نیشنل کمپنیاں شامل ہیں۔

صنف نازک کو بطورِ حُسن پیش کرنا، نوجوان نسل میں جنسی ہیجان ابھارنے کا ذریعہ بن رہا ماہنامہ **میتاق** (42) دسمبر 2022ء

ہے۔ عورتوں اور خاص طور پر کمسن بچیوں پر جنسی زیادتی کے واقعات میں روز افزوں اضافہ اسی ترغیب و تشویق کا منطقی نتیجہ ہے جو مادر پدر آزاد میڈیا کی طرف سے دی جا رہی ہے۔

ابلاغ (communication) خواہ قلم و قراطس کے ذریعہ سے ہو یا کیمرے اور سکرین کے توسط سے اس کی حرمت اور تہذیب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اور باب بست و کشاد کی اہم ذمہ داری ہے۔ اس سے چشم پوشی کرنا مجرمانہ غفلت کے مترادف ہے۔ قوموں اور خاص طور پر نو نہالوں کے ذہنوں میں اخلاقی کج روی اور حیوانیت کے شجر خبیث کا بیج ڈال دینا کھلی شیطنت ہے جو فحاشی، عریانی، اعلیٰ انسانی قدروں کی پامالی، خباثت و نجاست کو فروغ دے کر ایک صالح معاشرے کو کچرے کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ ایسے معاشروں سے امن و سکون ختم ہو جاتا ہے۔ پھر نہ کسی کی عزت محفوظ رہتی ہے نہ جان و مال۔

مغربی طاقتوں نے دیگر اقوام کو اپنا غلام بنانے کی حکمت عملی (strategy) تبدیل کر دی ہے۔ عصر حاضر میں اقوام عالم، جن میں ترجیحاً اُمتِ مسلمہ ہے، کو اپنا محکوم بنانے اور ان پر اپنی تہذیب و ثقافت مسلط کرنے کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کو ہرز اوئے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا پر اپنی گرفت مضبوط کر لی گئی ہے، کیوں کہ ذہنوں کو مسخر کرنے کے لیے یہ انتہائی مؤثر اور دو دھاری تلوار کی مانند ہے۔

طاغوتی طاقتوں کی پوری کوشش ہے کہ اسلامی معاشرے میں لادینیت کا جال بچھایا جائے۔ اس عمل میں ان دانشوروں، مفکرین اور دینی اسکالرز کو بھی شامل کیا جائے جو اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کرنے کے خواہاں ہیں۔ وہ شرم و حیا سے عاری ایک روشن خیال نسل تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام دشمن قوموں نے اپنے ایجنڈے کو عملی شکل دینے کے لیے ہمارے اندر ہی سے مہرے ڈھونڈ لیے ہیں۔ ان مذموم ارادوں میں مسلمان ملکوں کی حکومتیں ان کی پشتی بان ہیں۔ جس کسی کی آنکھوں میں اسلام اور اس کی اقدار کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں وہی ان کا چہیتا ہے۔ بیشتر مسلمان حکمران مغرب کے دیے ہوئے ٹکڑوں پر ہی توپل رہے ہیں۔ ان کی شاہ خرچیاں اور عیاشیاں مغرب ہی کی عطا ہیں۔

وہ کون سی طاقت ہے جو اخلاقی نظام بدلتی رہتی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ وہ اعمال جنہیں کسی ایک زمانہ یا جگہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے، کسی دوسرے عہد یا مقام پر بُرے تصور کیے جاتے ہیں؟

ماہنامہ **میناق** (43) دسمبر 2022ء

غالباً زندگی کی اقتصادی بنیادوں کی تبدیلی سے اخلاقی تصورات میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ کبھی خاندان ایک اخلاقی اور اجتماعی مرکز تھا، اب اس کی یہ مرکزی حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ صنعتی ترقی کے باعث خاندان اپنا سیاسی اور اقتصادی مقام کھو بیٹھا ہے۔ خاندانی وفا اور محبت کے سرچشمے خشک ہو رہے ہیں۔

بے حیائی کے نظارے تو برسوں سے ہمارے وطن عزیز میں نہ چاہتے ہوئے بھی دیکھنے کو مل رہے تھے، حکومت کی طرف سے ایک حیا باختمہ قانون ”ٹرانس جینڈر ایکٹ“ بھی اسمبلی میں پاس کر لیا گیا۔ خنثی کے حقوق کی آڑ میں جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی کو فروغ دینے میں ایک اور سہولت مہیا کر دی گئی ہے۔ مرد سے مرد کا اختلاط (Gay) اور عورت کا عورت سے اختلاط (Lesbian) کا راستہ ہموار کر دیا گیا ہے۔ قوم کے درد مند افراد اور دینی جماعتیں ابھی بدنام زمانہ ٹرانس جینڈر ایکٹ کے خلاف آواز اٹھا رہی تھیں کہ پاکستان میں LGBTQ+ کے غلیظ ایجنڈے کے نفاذ کے ضمن میں ایک اور قدم اٹھایا گیا ہے اور ہم جنس پرستی پر مبنی فلم ”جوئے لینڈ“ کی نمائش کے لیے سینسر بورڈ نے اجازت دے دی ہے۔ یہ فلم دراصل قوم لوط کے مجرمانہ فعل کی تشہیر کرتی اور ترغیب دیتی ہے۔

یہ وہ عمل قبیح ہے جس پر عمل کرنے والی قوم پر اللہ کا قہر و غضب نازل ہوا تھا۔ ان کی بینائی سلب کر کے انہیں اندھا کر دیا گیا۔ پھر انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر دوبارہ زمین پر پٹھا گیا، پھر ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش کی گئی، اور آخر کار وہ بد بخت اور غلیظ قوم دنیا سے ملیا میٹ کر دی گئی۔ ان کے علاقے میں رواں دواں سمندر ان کی اس گھناؤنے گناہ کے سبب منجمد کر دیا گیا، جو اب بحیرہ مردار (Dead Sea) کہلاتا ہے۔ یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ مسلمان حکمران کسی بڑے سے بڑے عذاب سے بھی کوئی سبق سیکھنا نہیں چاہتے۔ ان کی آنکھوں پر حرص و ہوس اور لالچ و مفاد پرستی کی ایسی پٹی بندھی ہوئی ہے جو انہیں کچھ اور دیکھنے ہی نہیں دیتی۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن حکیم میں یہ تبصرہ کیا گیا ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّ لَهُمْ قُلُوبًا لَا يَفْقَهُونَ

بَيِّنَاتٍ ۚ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ ۚ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلَهُمْ أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ ۚ بَيِّنَاتٍ ۚ أُولَٰئِكَ

كَانُوا نَعَاوِمًا ۚ بَلْ هُمْ أَصْلٌ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۱۵﴾ (الاعراف)

ماہنامہ **میناق** (44) دسمبر 2022ء

”ان کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں ان کے پاس آنکھیں ہیں جن وہ دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو چو پاپوں کی مانند ہیں بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بھگے ہوئے۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔“

اسی سورہ مبارکہ میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ (آیت ۳۳)

”کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔“

فواحش کی یہ کثرت اور مقبولیت شہوانی جذبات کے جس اشتعال کا نتیجہ ہیں وہ لٹریچر، تصاویر، سینما، تھیٹر، رقص اور برہنگی و بے حیائی کے عام مظاہروں سے رونما ہوتا ہے۔ خود غرض سرمایہ داروں کا ایک پورا لشکر ہے جو ہر ممکن تدبیر سے عوام کی شہوانی پیاس کو بھڑکانے میں لگا ہوا ہے اور اس ذریعے سے اپنے کاروبار کو فروغ دے رہا ہے۔ اخبارات اور رسالے انتہا درجہ کے فحش مضامین اور شرمناک تصویریں شائع کرتے ہیں کیوں کہ اشاعت بڑھانے کا یہ سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ صنفی مسائل پر حد درجہ ناپاک لٹریچر پمفلٹوں اور کتابوں کی شکل میں بھی نکلتا رہتا ہے۔ جہاں بد اخلاقی، نفس پرستی اور لذات جسمانی کی بندگی اس حد کو پہنچ چکی ہو ایسی جگہ ان تمام اسباب کا بروئے کار آجانا ایک طبعی امر ہے جو کسی قوم کی ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ذہنی، علمی، سیاسی اور جدید ذرائع ابلاغ سے کما حقہ واقفیت کا فقدان اور اس سے بھی بڑھ کر دین سے دوری مسلمانوں کے اخلاقی زوال اور کبت و ادبار کا اصل سبب ہے۔ اسلام ایک مکمل دستور حیات ہے جس کی بے مثال تعلیمات میں انسان کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ اس کی تعلیمات میں مجرموں، بد کرداروں، ملک و قوم کے باغیوں، اخلاق و انسانیت کے دشمنوں، معاشرے میں عزت و عصمت اور پاکیزگی کی چادر تار تار کرنے والوں کی تیج کنی کا پورا انتظام موجود ہے۔ ایک نیک اور صالح معاشرے کے قیام کے لیے واضح ہدایات پیش کی گئی ہیں۔ بات صرف اپنا قبیلہ درست کر لینے کی ہے۔ معاشرے کی صلاح و فلاح کے لیے اپنے اور اپنی نسلوں کے دشمنوں کو پہچان کر ان کے آلہ کار بننے سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہوگی۔ ارشادِ باری ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ أَنْ تَكْفُرُوا بِاللَّعَاجِزَةِ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ

الْبِيمُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ (النور)
”جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہوں میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔“

اصلاح حال کے لیے کوئی مثبت اور نتیجہ خیز قدم اٹھانا ہماری قومی، نسلی، اخلاقی سلامتی و بقا کے لیے از بس ضروری ہے۔ اس جانب قدم بڑھاتے ہوئے یہ حقیقت مستحضر رہے کہ معاشرے میں پھیلتی کسی بھی برائی کو ختم کرنے اور معاشرے کو نفیس و ستھرا کرنے کے لیے اجتماعی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ حالات اس سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ اب ہمیں پورا معاشرہ نئے سرے سے تعمیر کرنا ہوگا اور یہ کام اجتماعی سطح پر مضبوط اخلاقیات اور ضمیر کی طاقت کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر ہر شخص صرف اپنے دروازے کی صفائی کو ہی مد نظر رکھے اور محلے میں پھینکے جانے والے کچرے کی فکر نہ کرے تو ایک دن پوری گلی اور محلہ غلاظت کا ڈھیر بن جائے گا جس کے تعفن اور مضر اثرات سے محلے کا کوئی فرد بھی بچ سکا۔ غلاظت اور برائی اتنی تیزی سے پھیلتی ہے کہ اس پر قابو پانا دشوار ہو جاتا ہے۔ سیلاب کا ریلہ آنے سے پہلے بند نہ باندھا جائے تو پانی تباہی پھیلا دیتا ہے اور اپنی زد میں آنے والے کھیتوں، کھلیانوں، میدانوں کے ساتھ انسانوں کو بھی زندگی سے محروم کر دیتا ہے۔ زندگی کا حسن ہی یہ ہے کہ خود بھی مصائب و آلام، معائب و رذائل سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے محفوظ رکھنے کی امکانی حد تک جدوجہد کریں۔ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فلسفہ ہے۔

مآخذ

- (۱) شخصیت کی نشوونما، عبدالحمید
- (۲) پردہ سید ابوالاعلیٰ مودودی
- (۳) شخصیت کے نفسیاتی تعلقات، لارنس ایف شیفٹر/ مترجم ہلال احمد زبیری



قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نظروں کی حفاظت

احمد علی محمودی

نظر کا فتنہ

دنیا میں آج تک رونما ہونے والے تمام فواحش و فجور کا اصل سبب نظر کا فتنہ ہے۔ اللہ رب العزت کا ان آنکھ اور دل کے بارے میں بندے سے یقیناً سوال کریں گے۔ اس ضمن میں ارشادات باری تعالیٰ ہیں:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝۳﴾

(بنی اسرائیل)

”بے شک یہ کان، آنکھیں اور دل ان سب کے بارے میں روزِ قیامت سوال کیا جائے گا۔“

﴿حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءَهُمَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۴﴾ (ہم السجدہ)

”یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں (یعنی دوسرے اعضا) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گی۔“

نیز ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝۱۹﴾ (المؤمن)

”وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)۔“

آیت بالا کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”یہ وہ آدمی ہے جو لوگوں کے درمیان میں ہو، اس کے پاس سے عورت گزرے، تو وہ لوگوں کو یہ دکھاتا ہے کہ اس کی نگاہیں نیچی ہیں اور وہ عورت کو دیکھ نہیں رہا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو پھر عورت پر نظریں ڈالنے لگتا ہے۔ اگر اسے خدشہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی حرکت

بھانپ جائیں گے تو اپنی نظروں کو جھکا دیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے بھید سے بخوبی واقف ہے کہ وہ آدمی نہ صرف عورت کو دیکھنا چاہتا ہے بلکہ اس کی خواہش تو اس کے مستور اعضاء بھی دیکھنے کی ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُتِبَ عَلَىٰ ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزَّيْنَةِ مُدْرِكٌ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ: الْعَيْنَانِ زَيْنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْأَذْنَانِ زَيْنَاهُمَا الْاسْتِمَاعُ، وَاللِّسَانُ زَيْنَاهُ الْكَلَامُ، وَالْيَدُ زَيْنَاهُمَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلُ زَيْنَاهُمَا الْخَطَا، وَالْقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَتَّى، وَيَصْدُقُ ذَلِكَ الْفَرْجُ أَوْ يُكْذِبُهُ)) (متفق علیہ، وهذا لفظ مسلم)

”ابن آدم کے لیے زنا میں سے اُس کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پالے گا۔ آنکھوں کا زنا (شہوت سے) دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا (شہوت کی بات) بولنا ہے۔ کانوں کا زنا (شہوت کی بات) سنانا ہے۔ ہاتھوں کا زنا (شہوت سے) تھامنا ہے اور پیروں کا زنا (شہوت کی ناجائز تکمیل کے لیے) چلنا ہے۔ دل خواہش، تمنا اور آرزو کرتا ہے۔ پھر شرم گاہ یا تو اس آرزو کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔“

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کے زنا کا تذکرہ سب سے پہلے فرمایا، اس لیے کہ ہاتھ، پیر، دل اور شرم گاہ سب کی اصل محرک آنکھ ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک پڑ جانے والی نظر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنی نظروں کو پھیر دیا کرو۔“ اور ایک روایت میں اس طرح ہے: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نگاہوں کے پھیرنے کا حکم دیا۔“ (صحیح مسلم) نگاہوں کو آزاد چھوڑنے کی تباہ کاری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں طور متنبہ فرمایا: ”نگاہ شیطان کے تیروں میں سے زہر میں بچھا ہوا ایک تیر ہے۔“ (معجم الکبیر ج: ۱۰۳۶۲) یعنی جیسے زہر میں بچھے تیر کا شکار بیچ نہیں پاتا، اسی طرح نگاہ کا آوارہ استعمال کرنے والا گناہ میں پڑنے سے نہیں بچ سکتا۔

مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے علی! پہلی نظر جو دفعتاً کسی عورت پر پڑ جائے وہ تو معاف ہے، اور اگر تم نے نظر کو جمائے رکھا یا دوبارہ نظر ڈالی تو اس کا وبال قیامت میں تم پر ہوگا۔“

نبی ﷺ نے نگاہوں کو نیچی رکھنے کے عمل کو راستے کے حقوق میں شامل فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔“ صحابہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! راستے میں ہمارے بیٹھنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم تو بیٹھے بیٹھے گفت و شنید کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کو اس کا حق دو۔“ صحابہ نے پوچھا: راستے کے کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نگاہوں کو جھکائے رکھنا، تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔“

شرم و حیا کا پیکر بننے کا طریقہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَّهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ حَبِيْبٌۭ لِّمَنۡ يُّصْنَعُوْنَ ﴿٥٠﴾﴾ (النور)

”مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ ان کے کاموں سے خبردار ہے۔“

سورۃ النور بطور خاص اسلامی معاشرے میں پردہ، حجاب اور شرم و حیا کی ضرورت و اہمیت اس کی خلاف ورزی کی مختلف صورتوں اور ان کے سنگین نتائج اور سزاؤں کے بیان پر مشتمل ہے۔ موجودہ زمانے میں بے پردگی، بے حیائی، ترک حجاب، نمائش لباس و بدن اور ناجائز زیب و زینت سے بھرپور ماحول میں اس سورۃ مبارکہ کو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اسی لیے حدیث مبارکہ میں حکم دیا گیا کہ ”اپنی عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ۔“ (متدرک حاکم، ج: ۶، ص: ۳۵۴) اس آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ ”اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں“، یعنی بدکاری اور حرام سے بچیں۔ اس کا ایک طریقہ تو وہی ”نگاہوں کو جھکانا“ ہے اور مزید یہ ہے کہ اپنی شرم گاہ اور ان سے متصل وہ تمام اعضاء جن کا چھپانا ضروری ہے انہیں چھپائیں اور پردے کا اہتمام رکھیں۔ ”نگاہیں نیچی رکھنا“ اور ”شرم گاہ کی حفاظت کرنا“ گناہوں سے بچنے کا وہ عمدہ و مفید ذریعہ ہے کہ خود رب العالمین اس کی افادیت کے متعلق فرماتا ہے: ﴿ذٰلِكَ اَزْكٰى لَّهُمْ ۗ﴾ ”یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔“ یعنی نگاہیں نیچی رکھنا اور شرم گاہ کی حفاظت کرنا گناہ کی گندگی کے مقابلے

میں بہت پاکیزہ طریقہ ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ آیت کے اختتام پر گناہوں سے بچنے کے سب سے بنیادی اور مؤثر طریقے کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے خبردار ہے۔“ یعنی گناہوں سے بچنے میں یہ تصور بہت مفید ہے کہ ”اللہ عز و جل مجھے دیکھ رہا ہے۔“ حقیقت یہی ہے کہ اگر یہ ہمارے دل و دماغ میں مستحضر رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے جملہ اعمال، نگاہوں کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ خیالات سے باخبر ہے تو تنہا یہی ایک تصور سب گناہوں سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

اس بات سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کہ شرم و حیا اسلامی معاشرے کی بنیادی اقدار اور قرآن و سنت کے حکیمانہ احکام میں سے ہیں اور اس امر کو بھی کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ بدکاری اپنی تمام تر صورتوں کے ساتھ حرام ہے، خواہ رضامندی سے ہو یا جبری، پیسے کے بدلے میں ہو یا مفت۔ بے حیائی اور بدکاری انسان کے اخلاقی وجود کو زوالت میں ڈھال دیتی ہے۔ اُسے احسن تقویم (بہترین تخلیق) سے اسفل سافلین (سب سے نچلے درجے) میں جا گراتی ہے۔ دین اسلام کی خوب صورتی یہ ہے کہ جس چیز کو حرام قرار دیتا ہے، اُس سے بچنے کے طریقے بھی سکھاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا الَّذِیْنَ اِنَّهٗ كَانَ فَاَحِشَّةً ۙ وَّسَاءَ سَبِیْلًا ﴿٣٤﴾﴾ (بنی اسرائیل) ”اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یقیناً یہ بہت بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی برار استہ ہے۔“ یعنی ہر اُس معاملے سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھو جو تمہیں زنا تک لے جانے یا پہنچانے کا سبب بن سکتا ہو۔ اسلام نے بدکاری اور بے حیائی کو حرام قرار دیا تو اس سے بچانے والے اسباب کے متعلق بھی ہدایات عطا فرمائیں۔ پردے کی تاکید، اجنبی مرد و عورت کا کسی بند جگہ تنہا نہ ہونا، اجنبی مرد و عورت کا بلا ضرورت آپس میں کلام یا ملاقات نہ کرنا، عورتوں کا غیر مردوں کے سامنے بھڑکیلے اور بے پردگی کے لباس نہ پہننا، بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلنا، جیسے احکام عطا فرمائے گئے۔ اس طرح کے احکام کو اصول فقہ کی زبان میں ”سدِّ راع“ (بُرائی کے اسباب ہی کو روک دینا) کہا جاتا ہے۔ اسی میں سے شرم و حیا کے متعلق ایک بنیادی حکم، ”نگاہوں کو جھکا کر رکھنا“ ہے، جو سورۃ النور کی متذکرہ بالا آیت میں دیا گیا ہے۔ اس آیت میں مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور جس چیز کو دیکھنا جائز نہیں اُس پر نظر نہ ڈالیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”جب تمہارے پاس سے کوئی (غیر محرم) عورت گزرے تو تم اپنی نگاہوں کو نیچے کر لو، یہاں تک کہ عورت تمہارے پاس سے گزر جائے۔“ - ربیع بن خثیمؒ ایک مرتبہ راستے سے گزر رہے تھے تو ان کے پاس سے چند عورتیں گزریں۔ آپ نے اپنی نگاہوں کو جھکا دیا۔ عورتوں نے جب انہیں دیکھا تو سمجھے لگیں کہ وہ نابینا ہے، تو انہوں نے نابینا آدمی کو دیکھ کر اندھے پن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔

حکیم الامت امام محمد غزالیؒ نے ”نگاہوں کی حفاظت“ پر ”سد ذرائع“ کی روشنی میں بڑا حکیمانہ کلام فرمایا ہے:

”نظر نیچی رکھنا دل کو پاکیزہ بناتا ہے اور نیکیوں میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم نظر نیچی نہ رکھو بلکہ اسے آزادی سے ہر چیز پر ڈالو، تو بسا اوقات تم بے فائدہ اور فضول بھی ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دو گے اور رفتہ رفتہ تمہاری نظر حرام پر بھی پڑنا شروع ہو جائے گی۔ اب اگر جان بوجھ کر حرام پر (مثلاً نامحرم عورت یا خوبصورت مرد پر بڑی خواہش سے) نظر ڈالو گے، تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور عین ممکن ہے کہ تمہارا دل حرام چیز پر فریفتہ ہو جائے اور تم تباہی (گناہ) کا شکار ہو جاؤ۔ اور اگر اس طرف دیکھنا حرام نہ ہو بلکہ جائز ہو (جیسے لوگوں کے مہنگے لباس، موبائل، کار، مکانات کو دیکھنا) تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا دل (ان میں) مشغول ہو جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے دل میں طرح طرح کے وساوس آنا شروع ہو جائیں (کہ یا تو لوگوں پر وساوس آئیں کہ حرام کمائی سے سب بنایا ہوگا اور یا پھر خود ان کے حصول کی طلب میں خیالی پلاؤ پکاتے اور تڑپتے رہو گے) اور ان وساوس کا شکار ہو کر نیکیوں سے رہ جاؤ۔ لیکن اگر تم نے اس (حرام اور مباح) کی طرف دیکھا ہی نہیں تو ہر فتنے اور وسوسے سے محفوظ رہو گے اور اپنے اندر راحت و نشاط محسوس کرو گے۔“ (منہاج العابدین ص ۶۲)

بد نظری سے بچنے کے فضائل و انعامات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

((كُلُّ عَيْنٍ بَاكِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا عَيْنٌ غَصَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ وَعَيْنٌ سَهَرَتْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَيْنٌ خَرَجَ مِنْهَا مِثْلُ زَائِسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ)) (الترغيب و الترهيب: ۲۹۲۵)

”ہر آنکھ قیامت کے دن رورہی ہوگی سوائے (تین آنکھوں کے ایک) وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں (کو دیکھنے سے) جھکی ہوگی اور (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں (پہرہ دیتے ہوئے) جاگی ہوگی اور (تیسری) وہ آنکھ جس سے مکھی کے سر کے برابر بھی (آنسو) اللہ کے خوف سے نکلا ہوگا۔“

ایک اور روایت میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا تَرَىٰ أَعْيُنُهُمُ النَّارَ: عَيْنٌ حَزَسَتْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَعَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ، وَعَيْنٌ غَصَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ)) (طبرانی کبیر: ۴۱۶۸۹)

”تین افراد ایسے ہیں (جو جہنم میں جانا تو درکنار) ان کی آنکھیں جہنم کی آگ کو دیکھیں گی بھی نہیں: ایک وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں جاگ کر پہرہ دیا ہوگا، دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہوگی اور تیسری وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں (کو دیکھنے) سے جھکی ہوگی۔“

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

((اَضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمْ الْجَنَّةَ: اِضْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ، وَأَدُّوا إِذَا أَوْثَقْتُمْ، وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ، وَغَضُّوا أَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ)) (مستدرک حاکم: ۸۰۶۶)

”تم لوگ مجھے چھ باتوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: جب بات کرو تو سچ بولو، جب وعدہ کرو تو اُسے پورا کرو، جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے تو اُسے (بحسن و خوبی) ادا کرو، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، اپنی نگاہوں کو (حرام چیزوں کو دیکھنے سے) جھکاؤ اور اپنے ہاتھوں کو (حرام سے) روک رکھو۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بد نگاہی سے بچنے اور نگاہ جھکا لینے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَىٰ مُحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوْ لَمَّةٍ ثُمَّ يَعْصُ بَصَرَهُ إِلَّا أَخَذَتْ اللَّهُ لَهُ عِبَادَةً يَجِدُ خَلَاوتَهَا)) (مسند احمد، مشکوٰۃ: ۲۷۰)

”کوئی مسلمان اگر کسی عورت کے محاسن پر اول مرتبہ نظر پڑے ہی اپنی نظر نیچی کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی حلاوت اسے دل میں محسوس ہوتی ہے۔“

غصّ بصر کے دس فائدے

- (۱) یہ اللہ کا حکم ہے اور جو انسان بھی فلاح پاتا ہے وہ اللہ کا حکم مان کر ہی پاتا ہے۔ جو ناکام ہوتا ہے وہ حکم الہی نہ ماننے کی وجہ سے ناکام ہوتا ہے۔
- (۲) نامحرم پر کی جانے والی نظر جو زہر آلود تیر دل تک پہنچا کر اسے ہلاک کرتی ہے، آنکھ کی حفاظت سے وہ تیر دل تک نہیں پہنچے گا۔
- (۳) نظر کی حفاظت سے دل میں پوری توجّہ سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی نگاہ آزاد اور آوارہ رہتی ہے ان کا دل منتشر رہتا ہے۔ آزاد نگاہی بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔
- (۴) آنکھ کی حفاظت سے دل مضبوط اور پرسکون رہتا ہے جبکہ آزاد نگاہی یعنی ہر غلط چیز یا نامحرم کو دیکھ لینے سے دل مغموم رہتا ہے۔
- (۵) نگاہ ’پست‘ رکھنے سے دل میں ’نور‘ پیدا ہوتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ سورۃ النور میں غصّ بصر کی آیت کے بعد ہی آیت نور وارد ہوئی ہے کیونکہ دل میں نور نظروں کی حفاظت ہی سے داخل ہوتا ہے۔ جب دل نورانی ہو جائے تو ہر طرف سے خیر اور برکت اُس انسان کی طرف دوڑتی ہے اور جن کے دل میں تاریکی ہو ان کو شر اور تکالیف کے بادل گھیرے رہتے ہیں۔
- (۶) اللہ کا اصول ہے کہ اس کے لیے جو کچھ چھوڑا جائے وہ اس سے بہتر عطا کرے گا۔ وہ بصیرت دے گا، فہم و فراست کی نگاہ عطا کرے گا۔
- (۷) آزاد نگاہی سے انسان ذلیل ہوتا ہے۔ خود کو اپنے نفس کے قدموں میں ڈال کر آپ اپنی ذات بے توقیر کر دیتا ہے۔ جو شخص نگاہ کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے لوگوں میں بھی عزت دیتا ہے اور فرشتوں میں بھی دنیا میں بھی عزت دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔
- (۸) نگاہ کے ذریعہ شیطان نہایت تیزی سے دل میں جا پہنچتا ہے۔ وہ اُمیدیں دلاتا ہے تو جیہات پیش کرتا ہے۔ پھر انسان گناہ کی آگ میں ایسے جلتا ہے جیسے کسی بکری کو تنور کی آگ میں ڈال کر بھونا جائے۔ اسی لیے شہوت پرستوں کو قیامت کے دن آگ کے تنوروں میں ڈالا جائے گا۔

(۹) غصّ بصر سے دل کو قرآن پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جن کی نگاہیں آوارہ ہوں ان کے دل اتنے اُلجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ قرآن پر غور و فکر کرنے کی سعادت ان کا مقدر نہیں ہو سکتی۔

(۱۰) انسان کے دل اور آنکھ کے درمیان ایک رابطہ (link) ہے۔ جس کام میں آنکھ مشغول ہو اسی کام میں دل مشغول ہوتا ہے۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے کی اصلاح ہوتی ہے اور ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی نگاہ کو صاف رکھنا چاہیے۔

حفاظت نظر کا ایک عجیب فائدہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر نے اپنے ملفوظات میں نظر کی حفاظت کا ایک عجیب فائدہ بیان فرمایا جو واقعی لا جواب ہے:

”میرے دوست نے بتایا کہ ایک فرانسیسی جوڑا ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے تقریر کی کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے نظر کی حفاظت کا حکم دیا ہے، اس کے فائدے یہ ہیں کہ شوہر کے دل میں بیوی کی محبت بس جاتی ہے۔ جب غیروں کو نہیں دیکھتا تو اس کی نظر کا تمام مرکز اس کی بیوی ہوتی ہے۔ اس لیے بیوی سے محبت بڑھ جاتی ہے، تو بیوی بھی خوش رہتی ہے اور شوہر بھی خوش رہتا ہے۔ اس کے برعکس یورپ میں ترقی معکوس ہے یعنی الٹی ترقی۔ اللہ کے غضب اور قہر والی ترقی ہے۔ ان کی ہر بیوی ہر وقت خائف رہتی ہے۔ شوہر نے اگر کسی عورت سے مسکرا کر بات کر لی تو عورت جل کے خاک ہو جاتی ہے، دل تڑپ جاتا ہے کہ ہائے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم اس عورت سے پھنسا ہوا ہے اور اگر عورت نے کسی مرد سے ہنس کر بات کر لی اور ہاتھ ملا لیا تو شوہر صاحب کی نیند حرام ہو جاتی ہے سمجھتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ غرض سارا یورپ آج عذاب میں مبتلا ہے۔

اس کے بعد اس دوست نے کہا کہ زیادہ نہیں صرف تین دن تم کسی نامحرم کو نہ دیکھو اپنی بیوی کو دیکھو اور عورت صرف اپنے شوہر کو دیکھے۔ صرف تین دن قرآن کی آیت: ﴿يَغْضُؤْنَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ (النور: ۳۰) پر عمل کر لو کہ اے ایمان والو! اپنی نگاہوں کو نیچے کر لو۔ نامحرم عورتوں کو کسی کی ماں بہن بیٹی کو مت دیکھو۔ کسی کی بیوی کو مت دیکھو۔ اس کے بعد تم محسوس کرو گے کہ تمہیں اپنی بیوی کو دیکھنے میں اور تمہاری بیوی کو تمہیں

دیکھنے میں کتنا مزا آتا ہے، کیونکہ شبہات ختم ہو جائیں گے۔ یوں زندگی خوش گوار ہو جائے گی۔ اس فرانسسیسی عورت نے داڑھی والے دوست کا شکر یہ ادا کیا کہ ہم بات بالکل سمجھ گئے کہ واقعی بدنظری کی وجہ سے سارا یورپ عذاب میں مبتلا ہے۔“

بُری عادات ترک کرنے کا طریقہ

گناہ چھوڑنے کے لیے عزم و ہمت ضروری ہے۔ اس لیے انسان اولاً تو سابقہ گناہوں پر سچے دل سے ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کرے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، توبہ پر استقامت مانگے اور گناہ سے بچنے کے اسباب اختیار کرے۔ مثلاً اگر تنہائی کے گناہ ہیں تو اپنے آپ کو تنہائی سے بچائے، بُری صحبت سے بچے، نیک صحبت اختیار کرے، (ہو سکے تو کسی متبع شریعت عالم سے اصلاحی تعلق قائم کر لے) کثرت سے روزے رکھے، گناہ ہو جانے کی صورت میں اپنے نفس کو ایسے اعمالِ صالحہ اختیار کر کے سزا دے جو اس پر بھاری گزریں۔ مثلاً دس بیس رکعات نوافل پڑھے، ایک دو وقت کا فاقہ کرے، کچھ زیادہ رقم صدقہ کرے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا بھی کرتا رہے تو امید ہے کہ گناہوں سے بچ جائے گا۔

بے حیائی سے بچنے کی دعا

بے حیائی ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ پستی و زوال سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس کی انتہا زنا ہے جو نتیجہ ترین گناہ ہے، بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے رہیں اور ہمیشہ تصورِ آخرت ذہن و دل میں جمائے رکھیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت اور سلف صالحین کی زندگیوں کا مطالعہ کریں۔ اس آیت کریمہ کو بطور ورد پڑھتے رہیں: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (الانعام: ۱۵۱) ”اور بے حیائی کے کاموں کے قریب مت جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔“ اس قرآنی دعا کو بھی اپنا معمول بنائیں:

﴿رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ۝۷۰ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ۝۷۱﴾

(المؤمنون)

”اے میرے رب! میں تیری پناہ میں آتا ہوں شیاطین کی چھوت سے۔ اور اے میرے رب! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔“

بدنظری کا علاج

شیخ خالد الجبیر کہتے ہیں کہ میرا ایک جاننے والا سمجھدار انسان تھا، لیکن وہ عورتوں کو بڑی عجیب اور بری نظروں سے دیکھتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس اللہ کے حکم سے اس بیماری کا سو فیصد مکمل علاج ہے۔ کہنے لگا: کیا واقعی میں اس گناہ سے نجات پاسکوں گا؟ میں نے کہا: جی ہاں! سنو! تم اس بات کا ارادہ کر لو کہ جتنی دفعہ بھی بدنظری کا شکار ہو گے، اتنی دفعہ وضو کر کے دو رکعات نماز پڑھو گے۔ کہنے لگا: یہ تو بہت زیادہ ہے۔ ہر دفعہ دو رکعات ادا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ میں نے کہا: جنت چاہیے یا جہنم؟ کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے تو جنت چاہیے۔ میں نے کہا: بس پھر صرف ہر بدنظری پر دو رکعات ادا کرنے کا ارادہ کرو، اللہ کی قسم شیطان خود تمہاری نظروں کو نیچے رکھے گا، کیونکہ اُس کے نزدیک اللہ کو سجدہ کرنا بدنظری سے کہیں زیادہ بھاری ہے۔ صرف دو رکعات ادا کرنے سے اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ کہنے لگا: اچھا ٹھیک ہے۔

پھر میں نے ایک ماہ بعد اس سے بات کی اور پوچھا: اب بتاؤ! کیسا رہا علاج؟ ہنستے ہوئے کہنے لگا: اللہ کی قسم ڈاکٹر صاحب! پہلے ہفتے دس دفعہ دو رکعات ادا کیں، دوسرے ہفتے ۵ دفعہ تیسرے ہفتے ۲ دفعہ اور چوتھے ہفتے ایک دفعہ۔ واللہ یا شیخ! اب تو ایسا ہو گیا ہے کہ میں کسی غیر عورت کی طرف بری نظر سے دیکھوں تو لگتا ہے جیسے کوئی مجھے بدنظری سے منع کر رہا ہے۔

بدنظری کی قباحت اور اس کے نقصانات

بدنظری ایسا چور دروازہ ہے کہ عام طور پر برائی کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے اور اسی بداحتیاطی کی وجہ سے زندگی بھر کی نیک نامیوں پر بڑے لگ جاتا ہے۔ اس بدترین گناہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی شریعت نے اولاً بدنظری کے ہر دروازے کو بند کرنے پر نہایت زور دیا ہے۔ بدنظری ہی فواحش کا دروازہ ہے اور برائیوں پر بند اسی وقت ممکن ہے جبکہ بدنظری پر روک لگائی جائے۔ جب تک نظر محفوظ نہ ہو، شرم گاہ کی حفاظت کی گارنٹی نہیں لی جاسکتی۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَتَعُصْنَ اَبْصَارُكُمْ وَلَتَحْفَظَنَّ فُرُوجُكُمْ اُولَئِكَ سِفْنُ اللّٰهِ وُجُوْهُكُمْ))

(رواہ الطبرانی)

”تم لوگ ضرور اپنی نگاہوں کو بچنی رکھا کرو اور اپنی شرم گاہوں کی ضرور حفاظت کیا کرو“

ورنہ اللہ تعالیٰ ضرورتاً تمہارے چہروں کو بے رونق کر دے گا۔“

مذکورہ روایت میں بدنظری اور شرم گاہ کی حفاظت کے حکم کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر نگاہ کی حفاظت نہ کی گئی اور شرم گاہ کو حرام کاری سے نہ بچایا گیا تو اللہ تعالیٰ چہروں کی رونق کو ختم کر دے گا۔ یعنی اس برے عمل پر آخرت میں جو سزا مرتب ہوگی وہ تو الگ ہے؛ دنیا میں اس کا برا اثر یوں ظاہر ہوگا کہ ایسے شخص کے چہرے سے رونق جاتی رہے گی اور اس کے چہرے پر نحوست ٹپکنے لگے گی۔

ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے بدنظری کرنے والے اور جو بدنظری کی دعوت دے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعْنُ اللَّهِ النَّاطِرُ وَالْمَنْظُورُ إِلَيْهِ)) (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۷)

”بدنظری کرنے والے اور جس کی طرف بدنظری کی جائے دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔“

منظور ایہ یعنی جس کی طرف دیکھا جا رہا ہے وہ اس وجہ سے لعنت کا مستحق ہے کہ وہ اپنی چال ڈھال، ناز و ادا اور لباس کی آرائش و زینت سے دوسرے کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں اس کو بھی لعنت کا مستحق قرار دیا گیا۔

موجودہ زمانہ میں بدنظری کی وبا آخری حد تک پہنچ چکی ہے۔ ایک عظیم سیلاب ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ ہر جگہ فحش مناظر عام ہو گئے ہیں۔ بازار، شاپنگ مالز، دکانیں، سڑکیں، چوراہے، مکانات کی دیواریں حتیٰ کہ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بھی فحش تصاویر سے آراستہ ہو گئی ہیں۔ اخبارات و رسائل اور سوشل میڈیا بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکے ہیں، جس کی وجہ سے آج کل ایک شریف اور دین دار آدمی کا اخبارات پڑھنا، ٹیلی ویژن دیکھنا، موبائل استعمال کرنا، راستوں میں چلنا، بازاروں میں جانا، بہت دشوار ہو گیا ہے۔ اس پرستم یہ کہ اس وبا اور سیلاب پر بند لگانے کی فکر کی بجائے ہر کوئی اپنی دنیا چکانے کی غرض سے فحش تصاویر اور عریاں پوشٹریاں کر کے اس برائی کو بڑھاوا دے رہا ہے۔ فواحش کی کثرت کا برا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے افراد بدنظری میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو بعد میں بڑے گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ پھر اس گناہ کو ہلکا سمجھنا اور اس پر تھے رہنا اور بھی زیادہ مضر ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

”بدنگاہی ایسا گناہ ہے کہ بہت سے لوگ اس کو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔ ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا۔ اس گناہ کے بعد دل پر رنج کا اثر بھی نہیں ہوتا اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے جوان تو جوان بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ بدکاری کے لیے تو بہت سی تدابیر کرنی پڑتی ہیں؛ پیسہ بھی پاس ہو دوسرا بھی راضی ہو وغیرہ؛ مگر اس گناہ (بدنظری) کو کرنے میں کسی سامان کی ضرورت نہیں؛ اور نہ اس میں کچھ بدنامی ہے چونکہ اس کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیسی نیت ہے! کسی کو گھور لیا تو پھر بھی صوفی صاحب صوفی ہی رہے؛ حاجی صاحب حاجی ہی رہے؛ پیر صاحب پیر ہی رہے؛ مولوی صاحب مولوی ہی رہے؛ قاری صاحب قاری ہی رہے۔ اس گھورنے سے صوفی صاحب کے صوفی ہونے میں کوئی فرق نہ آیا؛ حاجی صاحب کے حاجی ہونے میں فرق نہ آیا؛ پیر صاحب کے پیر ہونے میں فرق نہ آیا؛ مولوی صاحب کے مولوی ہونے میں فرق نہ آیا؛ نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں کوئی فرق آیا۔ اس گناہ کی کسی دوسرے کو خبر ہی نہیں ہوتی۔ پھر بدنگاہی میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے جو کسی اور گناہ میں نہیں کہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ جب ان کو خوب بھر کے کر چکے تو پھر دل ان سے ہٹ جاتا ہے؛ مگر بدنگاہی ایسی بری چیز ہے کہ جتنی بدنگاہی کرتا ہے اتنی ہی خواہش بڑھتی جاتی ہے۔“

بدنظری کے نقصان کا اندازہ حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے اس قول سے ہوتا ہے:

”ہرے بھرے درخت کے پاس آگ جلا دو تو اس کے تروتازہ پتے مرجھا جاتے ہیں اور دوبارہ بہت مشکل سے ہرے ہوتے ہیں۔ سال بھر کھاد پانی دو؛ تب کہیں جا کر ہرے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ذکر، عبادت اور صحبت اہل اللہ سے جو انوارات قلب میں پیدا ہوتے ہیں اگر ایک بار بدنظری کر لی تو باطن کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ دوبارہ ایمانی حلاوت اور ذکر کے انوارات بحال ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔ بدنگاہی کی ظلمت بہت مشکل سے دور ہوتی ہے۔ بہت توبہ، استغفار، گریہ و زاری اور بار بار حفاظت نظر کے اہتمام سے کہیں قلب کو دوبارہ ایمان کی حیات ملتی ہے۔“

حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا: نگاہوں کی حفاظت کا کیا علاج ہے؟ فرمایا: ”یہ یاد

رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمہاری نظر سے بہت تیز ہے۔“

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی تصنیف ”بدنظری کا علاج“ اس سلسلہ کی ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جائے تو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ حضرت حکیم الامت

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی یہ بات تو ذہن اور دل پر اچھی طرح نقش کر لینی چاہیے کہ امور اختیار یہ کا علاج بجز ارادہ اور ہمت کے کچھ نہیں۔ پس تقاضا کے وقت ہمت کر کے نفس کو روکنا ہی اس کا بہترین علاج ہے۔ پھر دھیرے دھیرے تقاضا کی قوت کمزور ہو جائے گی اور ان شاء اللہ اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔

بدنگاہی کے جسم پر اثرات

نگاہیں جس جگہ جاتی ہیں، وہیں جمتی ہیں۔ پھر ان کا اچھا اور برا اثر اعصاب و دماغ اور ہارمونز پر پڑتا ہے۔ کسی پر شہوت کی نگاہ ڈالنے سے ہارمونز کے نظام میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی نگاہوں کا اثر زہریلی رطوبت کے اخراج کا باعث بنتا ہے جس سے آدمی بے شمار امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ صرف دیکھا ہی تو ہے۔ یہ کون سا غلط کام کیا ہے؟ کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ اچانک اگر شیر یا سانپ سامنے آجائے تو انہیں صرف دیکھنے سے انسانی جان پر کیا بنتی ہے؟ سبزہ اور پھول دیکھے جاتے ہیں تو دل مسرور اور مطمئن کیوں ہوتا ہے؟ کسی زخمی اور لہو لہان کو صرف دیکھتے ہی تو ہیں لیکن پھر پریشان، غمگین اور بعض بے ہوش تک ہو جاتے ہیں! آخر کیوں؟ طبی تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نگاہوں کی حفاظت نہ کرنے سے انسان ڈپریشن، بے چینی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے، جس کا علاج ناممکن ہے، کیونکہ نگاہیں انسان کے خیالات اور جذبات کو منتشر کرتی ہیں۔ ایسی خطرناک حالت سے بچنے کے لیے صرف اور صرف اسلامی تعلیمات ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

بعض لوگوں کے تجربات بتاتے ہیں کہ صرف تین دن نگاہوں کو شہوانی محرکات، خوبصورت چہروں اور عمارتوں میں لگائیں تو جسم میں درد بے چینی، تکان، دماغ بوجھل بوجھل اور جسم کے عضلات پھینچے جاتے ہیں۔ اگر اس کیفیت کو دور کرنے کے لیے سکون آور ادویات استعمال کی جائیں تو ان کا اثر کچھ وقت کے لیے تو ہوتا ہے، پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج نگاہوں کی حفاظت ہی ہے۔ مردوں اور عورتوں کو عفت اور پاک دامنی حاصل کرنے کے لیے اپنی نظروں کو جھکا کر رکھنا چاہیے۔ آج بے شرمی اور بے حیائی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ نظروں کو محفوظ رکھنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ظاہری و عملی شکل تو یہی ہے جو قرآن نے ہمیں بتائی کہ چلتے پھرتے اپنی نگاہوں کو پست (جھکا کر) رکھیں اور دل کے اندر اللہ کا خوف

ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جس قدر اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہوگا، اتنا ہی حرام چیزوں سے بچنا آسان ہوگا۔

بد نظری کے طبی نقصانات

بد نظری سے کئی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بد نظری چاہے ایک سینڈ کی ہو، دل کو ضعف ہو جاتا ہے۔ فوراً کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کبھی ادھر دیکھتا ہے تو کبھی اُدھر دیکھ رہا ہے کہ کوئی موجود تو نہیں۔ اس کشمکش سے قلب میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ گندے خیالات سے مٹانے کے غرور و متورم ہو جاتے ہیں، جس سے بار بار پیشاب آنے لگتا ہے۔ پیشاب سے پہلے یا بعد میں رطوبتوں کے اخراج کا معاملہ ہو جاتا ہے اور انسان کو گویا ”جسمانی دیمک“ کی بیماریاں لگ جاتی ہیں، جن کی تعداد مرد اور عورت دونوں میں ہی آج کل بہت زیادہ ہے۔ ان سب معاملات سے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں، جس سے دماغ کمزور اور نسیان پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر عصیان (برائی) کا سبب نسیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے قوت دماغ اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بھول کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے انسان کا علم بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر گردے کمزور ہوتے ہیں اور بدنگاہی کی بد عادت میں سارے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ جب کہیں زلزلہ آتا ہے تو عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔ گناہ بھی نفس و شیطان کی طرف سے ایک زلزلہ ہی ہوتا ہے۔ اگر اچانک نظر پڑی اور فوراً ہٹالی تو بھی دل میں جھٹکا سا لگتا ہے مگر گناہ کرنے کی سوچ اور بری نظر سے بار بار یا مسلسل دیکھتے رہنے پر زلزلے کی صورت لعنت برسی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہنی اور دلی بے سکونی کی صورت میں عذاب کے جھٹکے لگتے ہیں!!!

علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے

پھر اس میں عجب کیا کہ تُو بے باک نہیں ہے!

اللہ تعالیٰ ہمیں قلبِ منیب اور فہمِ سلیم عطا فرما کر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب

العالمین!



اللہ تعالیٰ کی توحید سے گریز کیوں؟

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

توحید باری تعالیٰ انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے لیکن اکثریت اس کا ادراک نہیں رکھتی۔ انسان کا ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ لوگ فوت ہوتے ہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ ہر چیز کو فنا ہے۔ کائنات کی ہر چیز نیست ہو جاتی ہے۔ کسی کی عمر تھوڑی ہوتی ہے کسی کی زیادہ، مگر فنا ہر کسی کو ہے۔ چاند سورج بھی اجرام ہیں۔ عقل سلیم کو تسلیم ہے کہ یہ بھی ایک دن فنا ہو جائیں گے۔ کچھ بے عقلوں نے ان کی لمبی عمر سے دھوکا کھا کر انہیں رب مان لیا ہے، حالانکہ جس طرح کائنات کی ہر چیز فانی ہے سورج چاند بھی ایک دن ختم ہو جائیں گے۔ وہ اپنی عمر پوری کر رہے ہیں۔ وہ کسی طرح کا اختیار نہیں رکھتے۔ اگر کوئی شخص ان سے کوئی حاجت چاہے تو وہ پوری نہیں کر سکتے۔ محض کسی مالک کا حکم مان رہے ہیں ان کو اختیار نہیں کہ طلوع وغروب کے مقرر کردہ اوقات سے لمحہ بھر کی کمی پیشی کر سکیں۔

اگر ان حقائق پر غور کریں تو بادنی تامل یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ساری کائنات کا کوئی ایک مالک ہے جو اس قدر با اختیار ہے کہ ہر شے اُس کے حکم کی پابند ہے۔ اس پابندی سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ جانداروں کو فنا ہوتا ہم دیکھتے ہیں۔ اسی طرح نباتات اور درخت اپنی عمر پوری کر کے سوکھ جاتے ہیں۔ پہاڑوں میں بھی شکست و ریخت ہوتی رہتی ہے زمین کے تغیر و تبدل عیاں ہیں۔ آسمان جوں کا توں کھڑا ہے، اگر با اختیار ہوتا تو اس میں تبدیلی ہوتی نظر آتی۔ اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی شے ایک دن تباہ ہو جائے گی۔ صرف وہ ہستی باقی رہ جائے گی جس کو بقا ہے۔ وہ ہستی جس نے کائنات کو بنایا اور چلایا ہے وہ ایک ہی ہے۔ وہی خدا ہے۔ وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ ایک سے زیادہ مالک تسلیم کرنا تو بدیہی طور پر ناممکن ہے۔ اگر دو یا زیادہ با اختیار مالک ہوں تو یہ کائنات ایک گھڑی بھی قائم

نہیں رہ سکتی۔ اس حقیقت پر معمولی سا غور کرنا بھی توحید کی سچائی کو ثابت کرتا ہے۔

دنیا کے لوگ مختلف مذاہب کو ماننے والے ہیں۔ انسانوں کی کثیر تعداد عقل کے استعمال کو شجر ممنوعہ سمجھتی ہے، حالانکہ اس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ عام طور پر انسان اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے عقائد کو بلا سوچے سمجھے مان لیتا ہے، خواہ عقل انسانی معمولی غور سے اس کا انکار کرتی ہو۔ یہاں تک کہ بعض سائنسی حقائق جو انسان کے تجربے میں آچکے ہیں ان کو بھی نہیں مانا جاتا۔ مثلاً اب تک کچھ لوگ زمین کا گول ہونا تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ ان کے اسلاف زمین کو مُسَطَّح (چپٹی) کہہ چکے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔ اسی طرح ہاتھ سے بنائے ہوئے بت بھی با اختیار مانے جاتے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ حرکت کر سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں۔ انسانوں کا یہ حال ہے کہ ان بتوں کے سامنے طرح طرح کے کھانے بھی رکھتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ کچھ کھا نہیں سکتے۔ عقل سے کام نہ لینا توحید کو نہ ماننے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ دنیاوی معاملات میں ہم قدم قدم پر عقل کی روشنی میں کام کرتے ہیں۔ چھوٹے اور بڑے، سچ اور جھوٹ، اچھے اور برے میں تمیز عقل ہی سے کی جاتی ہے۔ ایسے میں رب کائنات کے بارے میں عقل سے کام نہ لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ طرز فکر انسان کو حقیقت سے دور رکھتا ہے۔

مسلمان اگرچہ دین توحید کے حامل تو ہیں مگر ان میں اکثر فہم توحید میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ انسانوں، جنوں اور فرشتوں کو با اختیار مان کر ان کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں، حالانکہ وہ سب بے اختیار ہیں اور اللہ کی مخلوق ہیں۔ مسلمان خود دیکھ رہا ہے کہ جن انسانوں کو وہ با اختیار سمجھتا ہے وہ بھی فوت ہو جاتے ہیں اور انہیں مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ پھر با اختیار کون ہے؟ وہی جو می و قیوم ہے، جو سب و بصیر ہے، جو موت و حیات کا مالک ہے۔ وہی اولاد دیتا ہے۔ وہ نیک و بد کردار، مسلمان اور غیر مسلم سب کا رب ہے۔ وہ سب کی سنتا ہے، سب کو دیکھتا ہے۔ اس نے انسان کی سرشت میں اچھائی اور برائی کی تمیز رکھ دی ہے۔ اچھے کاموں پر اجر اور برے کاموں پر سزا دینے کا بتا دیا ہے۔ کوئی شخص اس کی گرفت سے باہر نہیں۔ زندگی اور موت اس کا بڑا ثبوت ہے۔ نہ کوئی عام شخص زندہ رہا نہ کوئی پیغمبر۔ بس وہی

ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسی بدیہی حقیقت کو تسلیم کرنا تو حید ہے۔

توحید کے عقیدے سے وہ لوگ بھی دور رہتے ہیں جو کسی غلط ماحول میں پرورش پاتے ہیں۔ یہودی کے گھر پیدا ہونے والا یہودی ہوتا ہے اور عیسائیوں کے گھر پیدا ہونے والے عیسائی ہوتے ہیں۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کی باتوں کو بلا سوچے سمجھے تسلیم کرنا انہیں حق سے دور رکھتا ہے۔ کتنے ہی غیر مسلم ہیں جو اسلام کی حقانیت کو مانتے ہیں، مگر اپنے ماحول کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بچہ بڑا ہو کر جب تحقیق کرتا ہے تو سچائی تک پہنچ جاتا ہے، یعنی ایک خدا کو مان لیتا ہے مگر اپنے آبائی ماحول کا اثر اس پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ سچی بات بر ملا نہیں کہہ سکتا۔ مخالفت کے خوف سے وہ آنکھیں بند کر کے عقل و شعور میں آنے والے یقین کو رد کر دیتا ہے۔ سچائی یقیناً کڑوی ہوتی ہے۔ ماحول کی مطابقت آسان ہوتی ہے۔ پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنا تو آسان ہوتا ہے مگر اس کے مخالف جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سچ تک وہی انسان پہنچ سکتا ہے جو سوچے سمجھے اور تحقیق کرے، کسی شخصیت سے خواہ مخواہ متاثر نہ ہو۔ سچائی تک پہنچنے کے لیے ماحول کی گرفت سے آزاد ہونا اور سمجھ سے کام لینا بہت ضروری ہے۔

انسان ہمیشہ سے دیکھتا چلا آ رہا ہے کہ ملک میں بادشاہ ایک ہوتا ہے، لوگ اس کی رعایا ہوتے ہیں۔ اس کی بڑی شان و شوکت ہوتی ہے۔ وہ سلطنت کا مالک ہوتا ہے۔ بادشاہ عوام کی نظروں سے دور عالی شان محلوں میں رہتا ہے۔ اس کے کچھ وزیر، مشیر اور مقررین ہوتے ہیں جو اُس کے حکم کے مطابق اُس کی سلطنت کا نظام چلاتے ہیں۔ بادشاہ اُن کی سفارش پر کسی کو انعام دیتا ہے اور کسی کو سزا۔ سفارش کرنے والے مجرموں کو بے گناہ ثابت کر کے سزا سے بچا لیتے ہیں اور کبھی ذاتی دشمنی کی بنا پر بے گناہ کو سزا کا مستحق بنا دیتے ہیں۔ جس کا تعلق کسی وزیر مشیر سے ہوتا ہے وہ دوسروں پر رعب جماتا ہے اور انہیں ڈرا دھمکا کر اپنے کام کراتا ہے۔ بادشاہ خود اصل صورت حال سے واقف نہیں ہوتا، اُس لیے اپنے مقررین کی بات کو ہی سچ سمجھتا ہے اور اسی کے مطابق حکم جاری کرتا ہے۔

ہر دور میں انسانوں کے ایک بڑے گروہ نے اپنے مشاہدے کی بنا پر یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ بھی کائنات کا کچھ اسی طرح کا حکمران ہے جس نے ارض و سما کا انتظام چلانے کے لیے

کچھ مددگار رکھے ہوئے ہیں جن پر وہ اعتماد کرتا ہے۔ اسی یقین کی بنا پر عام لوگ ان بااثر لوگوں کی خوشامد کرتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے ان کے کام کروالیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ ایک بے مثل ہستی ہے۔ اس کو دنیا کے حکمران کی طرح سمجھنا بے عقلی اور اس کی عظمت سے ناواقفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر شخص کے نہ صرف عمل سے واقف ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اُس نے کس نیت سے یہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مشیر وزیر نہیں ہیں۔ اُس کے سامنے تمام مخلوقات بے اختیار ہیں۔ فرشتے اُس کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ دنیا میں عام مومنین ہوں یا بڑے عبادت گزار وہ احکام الہی کی پابندی میں ہی خیر سمجھتے ہیں۔ خود کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اُس کی رضا چاہتے اور اُس سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہر طرح سے اُس کے محتاج ہیں۔ رب العالمین کا طرز حکومت اور کاروبار جہاں بانی انسان کے طرز حکمرانی سے قطعاً مختلف ہے، کیونکہ اُس کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے۔ انسان اپنے جیسے جن انسانوں کو بااختیار سمجھتا ہے ایک دن وہ اپنی زندگی پوری کر کے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں جبکہ خالق کائنات ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جب ساری کائنات فنا ہو جائے گی وہ پوری شان اور اختیار کے ساتھ زندہ رہے گا۔ تعجب ہے ان مسلمانوں پر جو اللہ تعالیٰ کو بے مثل تو مانتے ہیں اور ﴿وَلَهُ يَكُونُ لَكَ كُفُوًا أَحَدًا﴾ (الاحلاص) پر یقین بھی رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی اپنے پسندیدہ اشخاص کو بااختیار مانتے اور حاجت روا جانتے ہیں۔ ان کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ افسوس کہ جن لوگوں کو اپنے ہاتھوں دُفن کرتے ہیں، ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ شریعت نے ہمیں ہرگز یہ نہیں بتایا کہ فوت شدہ لوگ زندہ لوگوں کے کام آسکتے ہیں، ان سے اپنی حاجات مانگی جائیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فوت شدہ لوگ زندہ لوگوں کی دعاؤں کے محتاج ہوتے ہیں۔ گویا زندہ لوگ مُردہ لوگوں سے کچھ مانگنے کی بجائے ان کے لیے بخشش اور رفع درجات کی دعا کریں اور خود قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی جدوجہد کرتے رہیں۔



سود: ایک سنگین گناہ

حافظ محمد اسد

مال اللہ ﷻ کی بہت بڑی نعمت ہے اور انسان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں معاون و مددگار بھی ہے۔ جہاں اللہ ﷻ نے حصول رزق حلال کو عین عبادت قرار دیا ہے وہیں اس مال کا حق ادا کرنے اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع بھی متعین فرمائے ہیں۔ انسان محنت مزدوری کر کے جب اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کو صدقہ کرنے کا ثواب بطور اعزاز عطا کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ ﷻ کی خاص عنایت اور اس کا کرم ہے۔ اکثر حصول معاش کی فکر میں انسان اللہ ﷻ کی بندگی سے غافل اور آخرت میں جو اب دہی کی فکر سے آزاد ہو کر ہمہ وقت اسی غم و فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کہیں سے بھی مال ہاتھ آجائے۔ نتیجتاً اس کو حلال و حرام کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ وہ جو چاہے کرتا چلا جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ بالآخر اس کو اللہ ﷻ کے سامنے پیش بھی ہونا ہے۔ ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ مَعْرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ؟ وَعَنْ عَلَيْهِ فِيمَ فَعَلَ فِيهِ؟ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ؟ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ؟ وَعَنْ جَسَمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ؟)) (رواہ الترمذی والدارمی)

”قیامت کے دن کسی بندے کے دونوں پاؤں اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکیں گے یہاں تک کہ اس سے یہ نہ پوچھ لیا جائے: اُس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں ختم کیا؟ اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کیا عمل کیا؟ اور اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا؟“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کس ذریعے سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا؟ یعنی حلال و طیب رزق کو خرچ بھی حلال جگہ پر ہی کرنا ہے۔ افسوس کہ ماہنامہ **میناق** (65) دسمبر 2022ء

آج مال کی محبت اور دنیا کی عارضی زیب و زینت کی کشش ہمارے اذہان و قلوب پر اس قدر چھا چکی ہے کہ ہم اس امر کا خیال ہی نہیں رکھتے کہ جائز کاروبار کر رہے ہیں یا ناجائز! اس پر مستزاد یہ کہ اکثریت کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ جس نظام کے اندر ہم سانس لے رہے ہیں یہ سود کے گرد و غبار سے بھی پاک نہیں ہے۔ اس کی خبر صادق و صدوق آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اس انداز میں دی ہے:

((لِيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْتَغِي مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الزَّيْبَا، فَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ أَصَابُهُ مِنْ غُبَارِهِ)) (رواہ ابن ماجہ)

”لوگوں پر ایک زمانہ ضرور ایسا آئے گا کہ ان میں سے کوئی بھی سود سے نہ بچ سکے گا“ اور کوئی شخص سود خوری سے بچ بھی گیا تو بھی سود کے دھوئیں اور غبار سے نہیں بچ سکے گا۔“

اس حدیث کے تناظر میں ہم اگر موجودہ صورتِ حال کا تجزیہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ تقریباً پورا تجارتی نظام سود پر منحصر ہو چکا ہے۔ سودی نظام کی زنجیر نے عالمی معیشت کو اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ کسی کا حلال مال بھی پورے طور پر سود کے دھوئیں اور غبار سے محفوظ نہیں ہے۔

سود خور محنت کی ناقدری جب کہ سرمائے کی برتری جتلاتا ہے۔ اپنا سرمایہ لگا کر محنت سے جی چراتا ہے۔ سرمایہ دار کو سود کی وجہ سے کبھی نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ انسانی محنت اگر ضائع بھی ہو جائے تب بھی سرمایہ دار اپنا سود چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہ صورتِ حال عقل، منطق، اخلاقیات ہر اعتبار سے غیر منصفانہ ہے۔

تہذیب و تمدن کا قتل بھی اس سودی نظام کا مرہونِ منت ہے۔ سودی نظام بظاہر معاشی تعمیر و ترقی کا ذریعہ ہے لیکن اس کا عملی اطلاق دراصل انسانیت پر سرمائے کی فوقیت تسلیم کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ تہذیب میں شرافت، ہمدردی، رزق حلال اور انسانیت کی قدر گرتی جا رہی ہے جبکہ لالچ، حرص، لوٹ کھسوٹ اور فراڈ مؤثر اور توانا جذبے بنتے جا رہے ہیں۔ اکثر اوقات سودی قرض لینے والے کی تمام کمائی، وسائل، یہاں تک کہ گھر اور اس میں موجود ضروریات زندگی پر بھی قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ صورتِ حال اس سنگینی کو بھی پہنچ جاتی ہے کہ انسان خودکشی یا بھوک سے بلبلا تے بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خواہ کوئی ضرورت مند بیماری، بھوک سے کراہ رہا ہو یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہو، سود خور کی شقاوت و سنگدلی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اسے صرف اپنے نفع سے غرض ہوتی ہے۔

ماہنامہ **میناق** (66) دسمبر 2022ء

دوسرے کی کمائی پر اجارہ داری قائم ہو جاتی ہے اور سود خور محض مال کے بل بوتے پر بغیر کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی کے ایک معین حصے میں شریک ہو جاتا ہے۔ اس کا سرمایہ نہ صرف محفوظ بلکہ بڑھتا رہتا ہے جب کہ مقروض کو ملنے والا نفع بھی بعض اوقات طویل مدت میں سود کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے۔ خود غرضی و مفاد پرستی سود خور کا ایمان بن جاتا ہے اور وہ انتہائی خود غرضی سے صرف اپنے منافع پر نظر رکھتا ہے۔ اگر کبھی کساد بازاری کا اندیشہ ہوتا ہے تو فوراً اپنا روپیہ کھینچ لیتا ہے۔

مہنگائی میں اضافہ سودی نظام کا لازمی نتیجہ ہے۔ اشیاء کی قیمت کا تعین کرتے وقت دیگر اخراجات کے ساتھ سود کی ادائیگی کو بھی شامل کیا جاتا ہے جس سے اشیاء کی مجموعی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر خام مال فراہم کرنے والے اشیاء تیار کرنے والے مارکیٹ میں فراہم کرنے والے اور فروخت کرنے والے سب ہی سودی قرضوں پر کام کر رہے ہوں تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہر سطح پر سود کی وجہ سے کسی شے کی قیمت میں کس قدر اضافہ ہوگا۔

سود کے خاتمے کے بغیر بے روزگاری کا خاتمہ ممکن نہیں۔ سود کسی معاشرے کی صلاحیت کار کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے کم سے کم افرادی قوت کو زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس سے بے روزگاری جنم لیتی ہے۔ سرمایہ دار چھوٹے کاروبار کے لیے قرض دینے پر راضی نہیں ہوتا۔

حکومت کے اخراجات کا بڑھ جانا بھی سود کی خباثت ہی کا نتیجہ ہے۔ سرمایہ دار طبقہ حکومتوں کو باور کراتا ہے کہ لوگوں کو روزگار مہیا کرنے اور ان کی قوت خرید بڑھانے کے لیے حکومت کو اپنے اخراجات اپنی آمدنی سے زیادہ رکھنے چاہئیں۔ دنیا کی بیشتر حکومتیں سرمایہ داروں کے اس جال میں گرفتار ہیں۔ اس طرح بجٹ میں خسارے کی تلافی کے لیے انہی سرمایہ داروں سے مزید سودی قرضے لیے جاتے ہیں، جن کا بوجھ بھی بالآخر عوام کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

ظالمانہ ٹیکسوں کا بوجھ بھی ہمارے سامنے ہے۔ حکومت و وسائل کی کمی کو پورا کرنے کی خاطر مختلف نوعیت کے ٹیکس عائد کرتی ہے۔ ان کے ذریعے وسائل کا حصول نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ماہرین معاشیات موجودہ معاشی تباہ کاریوں کا علاج اور حل پیش کرنے سے قاصر ہیں، کیونکہ وہ خود سودی نظام ہی کی پیداوار ہیں۔ چونکہ سود کو دور کرنا انہیں منظور

نہیں اس لیے ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے تجویز کردہ تمام علاج گرائی اور بے روزگاری بڑھانے والے ہیں۔ عصر حاضر کے معاشی مسائل کے سامنے ماہرین معاشیات کی یہ بے بسی قابل رحم بھی ہے اور عبرتناک بھی۔

بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ایک دودھاری تلوار کی طرح انسانوں کا استحصال کرتی ہے۔ اس سے انسانوں کی دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو جاتی ہیں۔ سرمایہ داروں کا طبقہ مال حرام پر عیش تو کرتا ہے لیکن روحانی سکون سے محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ یاد خدا اور فکر آخرت سے غافل رہتا ہے۔ ایک حدیث نبویؐ کے مطابق حرام کمائی سے پلنے والا جسم جہنم ہی میں جانے کا حق دار ہے (مسند احمد)۔ غریب کو ضروریات زندگی کی فکر ہر وقت ستائے رکھتی ہے جو اسے آخرت کی تیاری سے بھی بیگانہ رکھتی ہے۔ بلکہ ایک حدیث نبویؐ کی رو سے فقر و افلاس انسان کو کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ حالات کی بہتری کے لیے ذیل میں کچھ تجاویز پیش خدمت ہیں:

(۱) اگر کوئی شخص بینک سے قرض لینے یا جمع شدہ رقم پر سود کو جائز قرار دے تو علماء کے موقف کو سامنے رکھ کر اس سے بچیں۔

(۲) اس بات کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ قرآن و حدیث میں سود کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ شراب نوشی، خنزیر کھانے اور زنا کاری کے لیے قرآن کریم میں وہ الفاظ استعمال نہیں کیے گئے جو سود کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

(۳) جس نبی مکرم ﷺ کے امتی ہونے پر ہم فخر کرتے ہیں، انہوں نے سود لینے اور دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز شکر و شبہ والی چیزوں سے بھی بچنے کی تعلیم دی ہے۔

(۴) دنیاوی ضرورتوں کو بینک سے قرضہ لیے بغیر پورا کریں۔ کچھ دشواریاں پریشانیاں آئیں تو اس پر صبر کریں۔

(۵) بینک میں جمع رقم پر آپ کو جو ”منافع“ مل رہا ہے، اس کو خود استعمال کیے بغیر رفاہی کاموں میں لگا دیں۔ ایسے غرباء و مساکین یا یتیم بچوں میں بانٹ دیں جو کمانے سے عاجز ہیں۔

(۶) اگر سود سے بچنے کی واقعی کوئی شکل نہیں ہے تو اپنی وسعت کے مطابق اس سے چھٹکارا پانے کی فکر رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں۔



سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

تحریر: ارسلان اللہ خان

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (الشوری: ۲۳)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے قرابت داری کے لحاظ کے۔“

ساتھی زم زم ساتھی حرمین سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ آپ کا نام عباس اور کنیت آپ کے دوسرے بیٹے فضل کی نسبت سے ”ابو الفضل“ ہے۔ آپ کی زوجہ ام الفضل رضی اللہ عنہا بھی بہت نیک سیرت خاتون تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ام الفضل ہی وہ دوسری خاتون تھیں جو اسلام کے سایہ عافیت میں آئیں۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فقہ امت کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے تیسرے بیٹے کا نام عبید اللہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد بہت طویل تھا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے کندھے تک آتے تھے۔ آپ نہایت درجے کے سخی تھے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسیع کے وقت آپ نے اپنا مکان بلا معاوضہ پیش کر دیا۔

”أسد الغابہ“ میں درج ہے کہ بچپن میں ایک روز حضرت عباس رضی اللہ عنہ گم ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شدید پریشان ہو گئیں اور یہ منت مانی: ”یا اللہ! میرا بیٹا عباس مجھے مل جائے تو میں تیرے گھر (خانہ کعبہ) پر ریشمی غلاف چڑھاؤں گی۔“ چنانچہ جب ننھے عباس مل گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کعبہ شریف پر پہلی مرتبہ دیباچ اور ریشمی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ واضح رہے کہ خانہ کعبہ پر پہلی مرتبہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کم و بیش ڈیڑھ ماہنامہ **میثاق** (69) دسمبر 2022ء

سوسال قبل حمیری تہذیب کے علمبردار اور یمن کے بادشاہ شیخ نے غلاف چڑھایا تھا۔ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے کم و بیش نوے سال قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت قصی بن کلاب نے غلاف چڑھایا تھا۔ لیکن کعبہ پر ریشمی غلاف پہلی مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی نے چڑھایا۔

زمانہ جاہلیت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا شمار عرب کے رؤسا میں ہوتا تھا۔ آپ ایک کامیاب تاجر تھے اور یمن اور دوسرے علاقوں میں تجارت کرتے تھے۔ طائف میں آپ کا ایک باغ تھا۔ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور رفادہ یعنی حاجیوں کو کھانا کھلانا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری تھی۔ حاجیوں کے لیے زم زم کا بہترین انتظام کرنے کی وجہ سے عرب کے لوگ آپ کو ”ساتھی زم زم“ کہتے تھے۔ اسی طرح قبیلہ والے آپ کو ”ذوالزائے“ یعنی بہترین رائے والے کہتے تھے اور اپنے معاملات میں آپ سے رائے لیتے تھے۔ آپ طبعاً فیاض اور سخی تھے۔ آپ کے دسترخوان سے بہت سے لوگ استفادہ کرتے تھے۔ اسی طرح آپ نے قبیلہ میں روٹی، کپڑا اور مکان کی ذمہ داری اپنے سر لی ہوئی تھی۔ روایات میں ملتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اگرچہ اوائل اسلام میں ہی دل سے حق قبول کر لیا تھا اور آپ کی زوجہ ام الفضل رضی اللہ عنہا بھی ایمان لے آئی تھیں لیکن مصلحتاً خاموشی اختیار کی اور درپردہ اسلام کی ہر ممکن خیر خواہی فرماتے تھے۔

غزوہ بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی کفار کے ہمراہ مسلمانوں سے لڑنا پڑا۔ یہاں تک کہ آپ دیگر ستر قیدیوں میں سے ایک تھے۔ اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سختی سے باندھ دیا گیا جس کے باعث تکلیف سے کراہنے لگے۔ ان کی تکلیف کی آوازن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت بے چین ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ صحابہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رسی ڈھیلی کر دی تو وہ سو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”اب عباس رضی اللہ عنہ خاموش کیوں ہو گئے؟“ جب بتایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کر دی جائیں۔ بعض روایات کے مطابق جب بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا جانے لگا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے پاس فدیہ کی رقم نہیں ہے۔ اس پر مخبر صادق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کے پاس جو رقم رکھوائی تھی.....؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس رقم کے بارے میں تو میرے اور ام الفضل رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ وہ سمجھ ماہنامہ **میثاق** (70) دسمبر 2022ء

گئے کہ رسول اکرم ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں اور انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ البتہ آپ نے کھلم کھلا اسلام قبول کرنے کا اعلان فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل کیا۔

حضرت عباسؓ کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے حد درجے عشق تھا۔ غزوہ خیبر کے بعد آپؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آپ کے لیے ایک نعت لکھی ہے، اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”عباس کیسے! اللہ تعالیٰ آپ کا منہ سلامت رکھے۔“ آپؓ نے ایک طویل نعت کہی۔ فارسی کے معروف شاعر حضرت عبدالرحمن جامیؒ نے اپنے ایک شعر میں اسی نعت کا مضمون نہایت خوش اسلوبی سے سمیٹا ہے:

اگر نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) را نیاوردے شفیع آدمؑ

نہ آدمؑ یافتے توبہ نہ نوحؑ از غرق نجینا

”اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو حضرت آدم علیہ السلام شفیع نہ بناتے تو نہ آدم توبہ کو پاتے اور

نہی حضرت نوح علیہ السلام غرقابی سے نجات پاتے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ کر آپؓ کو بلا تے تھے: ”میرے باپ حضرت عباسؓ کو بلاؤ۔“

حضرت عباسؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دو سال بڑے تھے اور احترام مصطفیٰ ﷺ

دیکھیے کہ جب کسی نے پوچھا کہ آپؓ عمر میں بڑے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو آپؓ نے جواب

دیا: ”بڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہاں میں دو سال قبل پیدا ہو گیا تھا۔“ اس سے پتہ چلتا ہے کہ

آپؓ کی ولادت عام الفیل سے دو سال قبل (مکہ مکرمہ میں) ہوئی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کی نگاہ میں ان کا مقام دیکھیں کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت مدینہ سے

آنے والے اسی نفوس ایک گھاٹی میں حضور اکرم ﷺ سے ملے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے

پورے مکہ سے حضرت عباسؓ کو اس ملاقات کے لیے چنا۔ آپؓ نے اُس وقت مدینہ کے

مسلمانوں سے جو خطاب کیا وہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت اہم اور روشن پہلو ہے۔ اسلامی

تاریخ میں ہجرت کے باب میں یہ خطبہ کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ اس خطبے نے گویا انصار پر

واضح کر دیا کہ وہ جو ذمہ داری اٹھا رہے ہیں وہ کس قدر نازک ہے۔ بقول اقبالؒ

چو می گویم مسلمانم بلرزم

کہ دانم مشکلات لاله را!

اور پھر انصار نے بھی جاں فشانی کا ثبوت دیتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث کے مطابق دور فاروقیؓ میں ایک مرتبہ شدید قحط پڑا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے انصار و مہاجرین کو مدینہ سے باہر نکالا اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا:

”اے اللہ! جب تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے تو ہم اُن کو وسیلہ بناتے تھے اور آج ہم آپؓ

کے چچا حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنا کر آپؓ کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے

اپنے ہاتھ دُعا کے لیے بلند کیے تو گھٹائیں جھوم جھوم کر برسیں۔ صرف مدینہ منورہ ہی نہیں مکہ مکرمہ

بھی بارانِ رحمت سے سیراب ہوا۔ اسی بنیاد پر آپؓ کو ”ساقیِ حرمین“ کہا جاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی ”مسند“ میں ”مسند عباس“ کے نام سے بہتر احادیث

روایت کی ہیں۔ آپؓ کا وصال بیس ہجری میں مدینہ میں ہوا اور آپؓ کی تدفین جنت البقیع

میں کی گئی۔

بنا کردند خوش رسے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را!

(مرزا مظہر جانِ جاناںؒ)



بقیہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اہلِ باطل یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں لاکارنے والا دنیا سے اٹھ گیا۔ قرآن کی پکار اور ان کی لاکار کا علم بلند

رکھنے کا عہد کیجیے۔ ان کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا یہی اندازِ تعمیری بھی ہے اور وقت کا تقاضا

بھی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے اپنے فضل بے کراں کے

تحت درگزر فرمائے، انہیں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔ لواحقین اور عقیدت مندوں کو صبر

جمیل سے نوازے اور ان کا لگایا ہوا پودا خوب برگ و بار لائے۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!



اقسام وحی اور قرآن حکیم

پروفیسر حافظ قاسم رضوان

قرآن حکیم کے نام

علامہ ابوالعالی شافعی نے قرآن کریم کے پچپن (۵۵) نام شمار کیے ہیں؛ جبکہ بعض اہل علم نے ان کی تعداد نوے (۹۰) سے بھی بڑھ کر بتائی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی صفات مثلاً 'مَجِيدٌ حَكِيمٌ'، 'كَرِيمٌ وَغَيْرُهُ کو نام قرار دے کر تعداد اس حد تک پہنچادی ہے ورنہ صحیح معنوں میں قرآن کریم کے کُل پانچ نام ہیں: الْقُرْآنُ، الْفُرْقَانُ، الذِّكْرُ، الْكِتَابُ اور التَّنْزِيلُ۔ (سیوطی) خود قرآن مجید نے اپنے لیے یہ پانچوں الفاظ بطور اسمِ علم ذکر کیے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور نام "قرآن" ہے اور اللہ تعالیٰ نے کم از کم اسٹھ (۶۱) مقامات پر اپنے کلام کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔

'قُرْآنٌ' دراصل قَرَأَ يَقْرَأُ سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی 'جمع کرنا' کے ہیں؛ پھر یہ لفظ پڑھنے کے معنوں میں اس لیے استعمال ہونے لگا کہ اس میں حروف اور کلمات کو جمع کیا جاتا ہے۔ (راغب اصفہانی) قَرَأَ يَقْرَأُ کا مصدر 'قِرَاءَةٌ' کے علاوہ 'قُرْآنٌ' بھی آتا ہے؛ سورة القیامہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ (۱۵) "بلاشبہ اس (کتاب) کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ہی ذمہ ہے"۔ عربی زبان میں کبھی کبھی مصدر کو اسمِ مفعول کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ کلام اللہ کو قرآن اسی معنی میں کہا جاتا ہے؛ یعنی پڑھی ہوئی کتاب۔ (الاتقان)

قرآن حکیم کی وجہ تسمیہ

قرآن حکیم کی بہت سی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں؛ لیکن زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا یہ نام نقاد عرب کی تردید میں رکھا گیا ہے؛ وہ کہا کرتے تھے: ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ﴾ (حجۃ المسجدة: ۲۶) "تم اس قرآن کو نہ سنو اور دورانِ تلاوت لغو (لا یعنی) باتیں کیا کرو۔" نقاد کی ان باتوں کے علی الرغم قرآن نام رکھ کر یہ الہامی اشارہ فرمایا گیا کہ قرآن

مجید کی دعوت کو ان اوجھے ہتھکنڈوں سے نہیں دبا یا جاسکتا؛ یہ کتاب پڑھنے کے لیے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن عظیم دُنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ قرآن عزیز کی اصطلاحی تعریف 'التلویح مع التوضیح' میں یوں بیان کی گئی ہے: هو الكتاب المنزل على الرسول ﷺ، المكتوب في المصحف المنقول الينا نقلًا متواترًا بلاشبهة "اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا؛ مصحف میں لکھا گیا اور آپ سے بغیر کسی شبہ کے متواتر نقل ہوا"۔ یہ تعریف تمام اہل علم کے درمیان متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

وحی اور اس کی حقیقت

قرآن کریم چونکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے؛ اس لیے وحی کے بارے میں چند بنیادی باتیں جان لینا ضروری ہے:

(۱) وحی کی ضرورت و اہمیت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور اس کے ذمے کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت کے لیے لگا دیا۔ لہذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں؛ پہلا یہ کہ وہ چاروں طرف پھیلی کائنات سے ٹھیک ٹھیک کام لے اور دوسرا یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے احکام الہی کو مدنظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت اور عمل نہ کرے جو اللہ تعالیٰ (اور اس کے رسول ﷺ) کی مرضی کے خلاف ہو۔ ان دونوں کاموں کے لیے انسان کو 'علم' کی ضرورت ہے؛ اس لیے کہ جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے اور اس کی کون سی چیز کے کیا خواص ہیں تو اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کر سکتا۔ نیز جب تک اسے یہ پتا نہ چلے کہ اللہ کی مرضی اور حکم کیا ہے اور وہ کون سے کاموں کو پسند اور کون کو ناپسند فرماتا ہے تو اس وقت تک اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مطلوب باتوں کا علم ہوتا رہے۔ ایک انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، منہ اور ہاتھ پاؤں؛ دوسرے عقل اور تیسرے وحی۔ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں؛ بہت سی عقل کے ذریعے اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں؛ ان کا علم انسان کو بذریعہ وحی عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع کی ترتیب ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے جس سے آگے وہ کام نہیں آتا۔ چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہوجاتی ہیں ان کا علم صرف عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً میرے سامنے ایک انسان بیٹھا ہے مجھے اپنی آنکھ کے ذریعے معلوم ہوا کہ یہ انسان ہے، آنکھ نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ اس کا رنگ گورا، پیشانی چوڑی، بال سیاہ، ہونٹ پتلے اور چہرہ کتابی ہے۔ لیکن اگر یہی باتیں میں اپنے حواس کو معطل کر کے محض عقل سے سمجھنا چاہوں، مثلاً آنکھیں بند کر کے یہ چاہوں کہ سامنے بیٹھے انسان کی رنگت اس کے اعضاء کی صحیح صحیح بناوٹ اور اس کے سراپا کی پوری پوری تصویر مجھے صرف اپنی عقل کے ذریعے معلوم ہوجائے، تو یہ قطعاً ناممکن ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں کی جاسکتیں، مثلاً مذکورہ شخص کے بارے میں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کی کوئی نہ کوئی ماں ضرور ہے، نیز یہ بھی علم ہے کہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے۔ اگرچہ اس وقت نہ اُس کی ماں میرے سامنے ہے اور نہ ہی اُس کے پیدا کرنے والے کو میں دیکھ سکتا ہوں، لیکن میری عقل بتا رہی ہے کہ یہ شخص بن ماں باپ خود پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب اگر میں یہ علم اپنی عقل کی بجائے اپنی آنکھ سے حاصل کرنا چاہتا تو یہ بالکل ممکن نہیں، کیونکہ اس کی تخلیق اور پیدائش کا منظر دوبارہ میری آنکھوں کے سامنے آ ہی نہیں سکتا۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں، بلکہ یہ بھی ایک حد پر جا کے رک جاتی ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ تو حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی عقل کے ذریعے، مثلاً مذکورہ بالا شخص کے بارے میں عقل نے یہ تو بتا دیا کہ اُسے کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن اس کو کیوں پیدا کیا گیا، اس کے ذمے اللہ کی طرف سے کیا فرائض اور احکامات ہیں، اس کا کون سا کام اللہ کو پسند ہے اور کون سا ناپسند، تو یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ عقل اور حواس اکٹھے ہو کر بھی ان کا جواب نہیں دے پاتے۔ ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے جو ذریعہ اللہ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام 'وحی' ہے۔

'وحی' انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی کے متعلق ان تمام سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو حواس اور عقل کے ذریعے حل نہیں ہو پاتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ مذکورہ تشریح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ ہی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے وحی الہی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لیے یہ بھی

ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہوجائے۔ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی عقائدات کا علم عقل کی بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لیے محض عقل پر بھروسہ قطعاً درست نہیں۔

وحی کا مفہوم: 'وُحِي' اور 'اِنْخَاة' عربی زبان کے الفاظ ہیں اور لغت میں ان کے معنی 'جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا' کے ہیں، خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ استعمال کر کے کیا جائے، خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر، خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر یا تحریر و نقوش استعمال کر کے۔ ہر صورت میں لغت کے حوالے سے اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں (تاج العروس)۔ حضرت زکریاؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سورہ مریم میں ارشاد ہوا: ﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْتَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَمِعُوا بُكَرَةً وَعَشِيًّا ۝۱۱﴾ "پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہا کرو۔" ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشارے سے مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے، اس لیے لفظ 'وحی اور ایحاء' دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں، جیسے سورہ النحل میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَأَوْحِي رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اجْتَمِعِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ...﴾ (آیت ۶۸) "اور آپ کے رب نے شہد کی کبھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں اور درختوں میں گھر بنالے....."

یہاں تک کہ شیاطین دلوں میں جو سو سے ڈالتے ہیں ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسے سورہ الانعام میں فرمان الہی ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي

بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ (آیت ۱۱۱)

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے ایک نہ ایک دشمن ضرور پیدا کیا ہے، جن وانس کے

شیاطین (میں سے جو) ایک دوسرے کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں۔"

اسی سورت میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّ الشَّاطِئِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَٰئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ﴾ (آیت ۱۲۱)

"اور بلاشبہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں، تاکہ تمہارے

ساتھ جھگڑا کریں۔"

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے جو خطاب فرماتے ہیں، اسے بھی 'ایحاء' کہا گیا ہے۔ سورہ الانفال میں فرمایا:

﴿ اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنْۢ يَّوْحٰى بِكَ ۙ﴾ (آیت ۱۲)

”جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

کسی غیر نبی کے دل میں جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے اسے بھی اسی لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَوْحٰیۤنَاۤ اِلٰی اٰمْرِ مُوْسٰی اَنْۢ اَرۡضِعۡنٰہٗ ۙ﴾ (آیت ۷)

”اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ اسے دودھ پلاؤ۔“

یہ سب ان دونوں لفظوں (وحی اور ایحاء) کے لغوی معنی ہیں۔ اب شرعی اصطلاح میں ”عمدۃ القاری“ کے مطابق وحی کی تعریف یہ ہے:

کلام اللہ المنزل علی نبی من انبیائہ

”اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے نبیوں میں سے کسی نبی پر نازل ہو۔“

یہاں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ لفظ ”وحی“ اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اب اس کا استعمال نبی اور رسول کے سوا کسی اور کے لیے درست نہیں۔ علامہ انور شاہ کاشمیری کا کہنا ہے کہ ”وحی“ اور ”ایحاء“ دو الگ الگ لفظ ہیں اور ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ”ایحاء“ کا مفہوم عام ہے انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے لہذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کے برخلاف ”وحی“ صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو کہ انبیاء و رسل علیہم السلام پر نازل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز نے لفظ ”ایحاء“ کا استعمال تو نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے استعمال کیا ہے، لیکن لفظ ”وحی“ سوائے انبیاء کے کسی اور کے لیے استعمال نہیں فرمایا۔ (فیض الباری)

گویا ”وحی“ وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے خاص منتخب بندوں تک پہنچاتا ہے اور پھر اس کے ذریعے تمام انسانوں تک۔ چونکہ ”وحی“ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس تعلیمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مشاہدہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو ہی ہوتا ہے، تو ہمارے لیے اس کی صحیح حقیقت کا ادراک بھی ممکن نہیں، البتہ اس کی اقسام اور کیفیات کے بارے میں کچھ معلومات خود قرآن و حدیث نے فراہم کی ہیں صرف انہی کو یہاں بیان کیا جاسکتا ہے۔

وحی کی تعلیمات: وحی الہی کے ذریعے بندوں کو صرف انہی باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے جو وہ محض اپنی عقل اور حواس سے معلوم نہ کر سکیں۔ یہ باتیں خالص مذہبی نوعیت کی بھی ہو سکتی ہیں اور عام دنیاوی ضروریات کی بھی۔ انبیاء کی وحی عموماً پہلی قسم کی ہوتی ہے لیکن حسب موقع معلومات اور ضروریات بھی

بذریعہ وحی بتائی گئی ہیں مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا گیا:

﴿ وَاَصۡنَعِ الْفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَاَوْحٰیۤنَا﴾ (ہود: ۳۷)

”اور کشتی بناؤ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری وحی کے (ذریعے ہدایات کے) مطابق۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی کی صنعت بذریعہ وحی سکھائی گئی تھی۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت اور حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے خواص کا علم بذریعہ وحی سکھایا گیا، بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ علم طب بنیادی طور پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔

وحی کی اقسام

علامہ انور شاہ کاشمیری ”دفیض الباری“ میں فرماتے ہیں کہ ابتدائی طور پر وحی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وحی قلبی: اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتے ہیں۔ اس میں نہ فرشتے کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ ہی نبی کی قوت سامعہ اور حواس کا۔ لہذا کوئی بھی آواز نبی کو سنائی نہیں دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

(ب) کلام الہی: اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرماتا ہے۔

اس میں بھی کسی فرشتے کا واسطہ تو نہیں ہوتا لیکن نبی کو ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل جدا ایک عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے جس کا ادراک عقل سے ممکن نہیں۔ جو انبیاء اسے سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں۔ وحی کی اس قسم میں چونکہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے اس لیے یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَخۡلِیۡمًا ۙ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خوب باتیں کیں۔“

(ج) وحی ملکی: اس قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام اور کلام کسی فرشتے کے ذریعے نبی تک بھیجتا ہے۔ بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا اور صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، بعض اوقات وہ کسی انسان کی

شکل میں سامنے آ کر پیغام پہنچا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کو فرشتہ اپنی اصل صورت میں نظر آ جائے۔

قرآن کریم میں وحی کی انہی تین اقسام کی طرف سورۃ الشوریٰ میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ

يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِلَاذِنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ (آیت ۵۱)

”اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے (رو برو) بات کرے، مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام بر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہے وحی نازل کرے۔“

اس آیت کریمہ میں ﴿وَحْيًا﴾ ”دل میں بات ڈالنے“ سے مراد پہلی قسم یعنی وحی قلبی ہے ﴿مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ﴾ ”پردے کے پیچھے“ سے مراد دوسری قسم یعنی کلام الہی اور ﴿يُرْسِلَ رَسُولًا﴾ ”پیغام بر (فرشتے) کو بھیجنا“ سے مراد تیسری قسم یعنی وحی ملکی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے طریقے

نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَخِينَا يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مَثَلُ صَلَٰةِ الْجُرَسِ وَهُوَ أَشَدُّ عَلَيَّ فَيُفْضِمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَأَخِينَا يَتَمَثَّلُ لِي الْمَلَكُ رَجُلًا فَيَكَلِّمُنِي فَأَعْنِي مَا يَقُولُ)) ”بھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز سے کہا ہوتا ہے وہ مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک انسان کی صورت میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے، پس میں اس کا کہا ہوا یاد کر لیتا ہوں۔“ اس حدیث نبوی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں:

(۱) صَلَٰةِ الْجُرَسِ: اس طریقے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی جیسے گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں تو صرف اتنا ہی مذکور ہے اس لیے پورے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس قسم کی وحی کو کس اعتبار سے گھنٹیوں کے بجنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فرشتے کی آواز ہوتی تھی، بعض علماء کے نزدیک فرشتہ وحی لاتے وقت اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا تھا، اس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ علامہ خطابی کی رائے کے مطابق یہاں تشبیہ

آواز کے ترنم میں نہیں بلکہ اس کے تسلسل میں ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے اور کسی جگہ ٹوٹتی نہیں اسی طرح وحی کی آواز بھی مسلسل ہوا کرتی تھی (فتح الباری)۔ لیکن یہ سب قیاسات ہیں اور ان کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ علامہ انور شاہ کا شمیڑی نے ابن عربی سے نقل کر کے اس تشبیہ کا جو مطلب بیان کیا ہے، وہ مذکورہ بالا تمام توجیہات سے زیادہ لطیف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تشبیہ دو اعتبار سے دی گئی ہے۔ ایک تو آواز کے تسلسل کے اعتبار سے جیسے کہ اوپر بیان ہوا۔ دوسرے اس اعتبار سے کہ گھنٹی جب مسلسل بج رہی ہو تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ذات باری تعالیٰ چونکہ جہت سے اور مکان سے منزہ ہے، اس لیے کلام الہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آواز کسی ایک سمت سے نہیں آتی بلکہ ہر جہت سے آتی ہے۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدے کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں کے قریب لانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی ہے (فیض الباری)۔

بہر حال اس تشبیہ کی ٹھیک ٹھیک کیفیت کا علم تو اللہ ہی کو ہے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وحی کے اس خاص طریقے میں گھنٹیوں کی سی آواز آیا کرتی تھی۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وحی کا یہ طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ دشوار ہوتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ ”وَهُوَ أَشَدُّ عَلَيَّ“ کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ یوں تو وحی کا ہر ایک طریقہ سخت ہوتا تھا، لیکن اس گھنٹیوں کی آواز والے طریقے میں سب سے زیادہ بار ہوا کرتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ کہنے اور سننے والے میں کسی نہ کسی طور پر مناسبت پیدا ہونی تو لازم ہے۔ اب اگر فرشتہ انسانی شکل میں آجائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی غیر معمولی بار نہیں پڑتا تھا، صرف کلام الہی کے جلال وغیرہ کا بار ہوتا تھا۔ اس کے برخلاف جب فرشتہ انسانی شکل میں نہ آئے، بلکہ اس کی آواز یا براہ راست باری تعالیٰ کا کلام سنائی دے تو یہ ایک غیر معمولی کیفیت ہوتی تھی، اس سے مانوس ہونے اور استفادہ کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحیح بخاری کی مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَزْدِ فَيُفْضِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا ”میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتی دیکھی ہے (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینے سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔“ اسی حوالے سے ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رکنے لگتا، چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی

بقیہ: عرض احوال

مغربی دنیا صنعتی قابلیت اور مشینوں کی دولت کے زبردست فوائد رکھنے کے باوجود انسانی تاریخ کے بدترین باطنی بحران میں مبتلا ہے۔

یہ مغرب کا معاشی نظام ہی تھا جس نے اسے اخلاقی، معاشرتی اور انسانی بحران کا شکار کیا۔ اب اسی نظام کے تحت مسلمان معاشروں کو بھی تباہ کیا جا رہا ہے۔ اگر قائد اعظم کے فرمان پر ہو بہو عمل ہوتا تو آج پاکستان میں نہ تو اقتصادی بحران ہوتا، نہ ٹرانس جینڈر ایکٹ جیسے قانون بنتے، نہ ہی جو اے لینڈ جیسی اخلاق باختہ فلموں کی نمائش ممکن ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ سودی نظام کے خلاف پاکستان کے تین اعلیٰ عدالتی فیصلوں کے باوجود ہماری اشرافیہ ملک اور قوم کو اس ابلسی شکنجے سے آزاد کرنے پر تیار نہیں ہو رہی۔

حل آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی پاک سیرت میں سمجھا دیا ہے کہ جہاں ظلم، جبر اور شیطنت کا راج ہو وہاں کلمہ حق بلند کر کے منکرات کے خلاف کھڑے ہو جاؤ، جس طرح آپ ﷺ نے مکہ میں اشرافیہ کے قائم کیے ہوئے ظلم و استحصال پر مبنی نظام کے خلاف کلمہ حق بلند کیا تھا۔ اس انقلاب کے لیے طائف اور احد میں اپنا لہو بہایا، احد میں اپنے پیارے ستر صحابہ کرامؓ کو شہید ہوتے دیکھا، پیٹ پر پتھر باندھے، ہجرت کے مصائب اٹھائے۔ پاکستان کے لیے بھی عظیم ہجرت کی گئی اور بے پناہ قربانیاں دی گئیں، جو درحقیقت اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے تھیں لیکن ان قربانیوں کے ثمرات کے راستے میں اشرافیہ حاکم ہو گئی۔ چنانچہ ایک بار پھر مسلمانانِ پاکستان کو اسی مقصد کے لیے کھڑے ہونا ہوگا جس کے لیے ان کے باپ دادا نے یہ عظیم قربانیاں دی تھیں۔ وہ مقصد یہ ہے کہ پاکستانی قوم منکرات کے خلاف کھڑی ہو جائے، خاص طور پر جو اے لینڈ اور ٹرانس جینڈر ایکٹ جیسے شیطانی حملوں کے خلاف ڈٹ کر کھڑی ہو جائے۔ منکرات کے خلاف یہی جدوجہد پاکستانی قوم کو اس عظیم مقصد سے ہمکنار کرے گی، یعنی ایک اسلامی فلاحی پاکستان جس کا خواب بانیانِ پاکستان اور اس کے لیے ہجرت کرنے والوں نے دیکھا تھا۔

اطلاع برائے قارئین:

جنوری 2023ء سے **میثاق** کا سالانہ زرع تعاون 500 روپے اور
فی شمارہ قیمت 50 روپے ہوگی۔

طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الاتقان)

وجی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی تھی کہ حضور ﷺ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے، وہ آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنا زانوئے مبارک حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وجی نازل ہونا شروع ہو گئی۔ اس سے حضرت زیدؓ کے گھٹنے اور ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ جیسے وہ ٹوٹنے لگی ہو۔ (صحیح البخاری)

بعض اوقات اس وجی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ جب آپ پر وجی نازل ہوتی تو آپ کے چہرہ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

(۲) **تمثیل مَلَك**: وجی کی دوسری صورت جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آ کر حضور ﷺ کو اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا۔ ایسے مواقع پر حضرت جبرائیلؑ عموماً حضرت وحیہ کلبیؓ کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ علامہ عینیؒ کا کہنا ہے کہ صحابہ میں سے حضرت وحیہ کلبیؓ کا انتخاب شاید اس لیے کیا گیا ہو کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان تھے، اتنے حسین کہ اپنے چہرے کو لپیٹ کر چلا کرتے تھے۔ البتہ بعض مواقع پر حضرت جبرائیلؑ کا دوسری انسانی صورتوں میں آنا بھی ثابت ہے، مثلاً حضرت عمرؓ کی مشہور روایت (حدیث جبریل) میں وہ بالکل ایک اجنبی کی صورت میں تشریف لائے تھے۔ بہر حال اس پر اتفاق ہے کہ جو فرشتہ حضور اکرم ﷺ پر وجی لاتا تھا، وہ حضرت جبرائیلؑ تھے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرَائِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾ (آیت ۹۷) ”کہہ دو کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو تو (ہو کرے)“ اسی نے یہ (قرآن) آپ (ﷺ) کے دل پر اتارا ہے۔“ وجی کی اس صورت میں فرشتہ انسانی شکل میں آیا کرتا تھا اور آپ کو کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ ”الاتقان“ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے وجی کی اس صورت کا ذکر کر کے فرمایا: ((وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيَّ)) ”اور یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ آسان ہوتی ہے۔“



میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

Dec. 2022
Vol.71

Regd. CPL No.115
No.12

Monthly **Meesaq** Lahore



Kausar
BANASPATI & COOKING OILS

کچھ خاص مہینے کا ہے

f KausarCookingOils

داعی قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی چند فکر انگیز تالیفات

عظمت مصطفیٰ ﷺ، مقصد بعثت، اسوۂ رسول ﷺ اور سیرت نبوی کے انقلابی پہلوؤں پر مشتمل مقالات کا مجموعہ

رسولِ اکرم اور ہم ﷺ

اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

قرآن حکیم کی عظمت و تعارف اور حقوق و مطالبات جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

سیرت مطہرہ کدل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرت خیر الانام ﷺ

صفحات 240، قیمت 350 روپے

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہج انقلابِ نبوی ﷺ

مجلد 500 روپے، غیر مجلد 300 روپے

شرک کی حقیقت، اقسام اور دور حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجئے

حقیقت و اقسامِ شرک

اشاعت خاص 160 روپے، اشاعت عام 80 روپے

اخلاص فی العبادت اور اقامت دین کی اہمیت و فرضیت، بعنوان:

توحیدِ عملی

اشاعت خاص 225 روپے، اشاعت عام 150 روپے

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبوی طریق پر مشتمل

خلافت کی حقیقت

اشاعت خاص 300 روپے، اشاعت عام 180 روپے

امت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن کی جامع ترین سورت

سُورَةُ الْحَدِيدِ

اشاعت خاص 500 روپے، اشاعت عام 225 روپے

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون 3-35869501 (042)

www.tanzeem.org ویب سائٹ

مکتبہ خدام القرآن

ای میل maktaba@tanzeem.org